مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۱۶	ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ / فروری ۲۰۱۵ء	شمارہ ۲

العبد الربانی

اللہ والے بن جاؤ

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۲۰ روپے زر سالانہ =/۲۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور

۳۵۴۲۲۲۱۳
۳۵۴۳۳۰۴۹

پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ (رجسٹرڈ)
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) مشرف علی تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ اریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ (رجسٹرڈ) لاہور پاکستان

(العبدالربانی)

(اللہ والے بن جاؤ)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	اطاعت اور عبادت کا فرق	۱۰
۲	آداب تعلیم وتعلم کا فقدان	۱۱
۳	اخص الخواص کی شان	۱۳
۴	صحیح تعلیم	۱۷
۵	حقیقی علم	۱۹
۶	ہماری حالت	۲۲
۷	شفقت نبوی ﷺ	۲۳
۸	عوام کی غلطی	۲۵
۹	علماء کو تنبیہ	۲۸
۱۰	اصلاح نفس کی ضرورت	۳۰
۱۱	سلطان نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کا انداز تربیت	۳۰
۱۲	حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی مرید کو تنبیہ	۳۲
۱۳	حجاب انانیت	۳۳
۱۴	طریقہ علاج	۳۴

۱۵	علاج الاکبر بالکبر کی تمثیل	۳۵
۱۶	ایک بزرگ کا حال	۳۶
۱۷	حضور ﷺ کا اپنے مراتب کو بیان کرنا	۳۷
۱۸	مولانا اسماعیل شہید کی تواضع	۳۹
۱۹	طلباء کو نصیحت	۳۹
۲۰	ایجاب وقبول کی حقیقت	۴۱
۲۱	شیخ سعدی کی ذکاوت	۴۲
۲۲	اقرار کلمہ توحید کا مقتضی	۴۲
۲۳	علماء کو مشورہ	۴۴
۲۴	تفسیر آیت	۴۵
۲۵	دعویٰ اور دعوت کا فرق	۴۷
۲۶	مشیت ایزدی	۴۹
۲۷	اہل اللہ کی توجہ کا اثر	۵۰
۲۸	عظمت خداوندی	۵۱
۲۹	سالکین کا حال	۵۲
۳۰	ڈارون کا نظریہ	۵۵
۳۱	نظریہ ڈارون کی تحقیق	۵۶

۳۲	امثال عبرت	۵۷
۳۳	رحمت خداوندی	۵۸
۳۴	فوری سزاء	۵۹
۳۵	خدا کی دستگیری	۵۹
۳۶	ظلم کا بدلہ	۶۰
۳۷	سزا میں تعجیل وتاخیر وجوہ	۶۱
۳۸	پیر کو مرید کا نفع	۶۱
۳۹	انبیاء کا طریق تعلیم	۶۲
۴۰	واعظ کا کام	۶۳
۴۱	علماء کا قصور	۶۴
۴۲	جاہل واعظین	۶۵
۴۳	منطقی سوال کا جواب	۶۶
۴۴	علماء کے کرنے کے کام	۶۷
۴۵	امر بالمعروف کے مواقع	۶۷
۴۶	علماء کی مختلف خدمات	۶۸
۴۷	وعظ کی اہمیت	۶۸
۴۸	مدارسِ توکل	۶۹

۴۹	مدارس کے لئے چندہ	۷۰
۵۰	ہر مدرسہ میں ایک واعظ کا اہتمام	۷۰
۵۱	اہل مدارس کی ذمہ داری	۷۱
۵۲	ربانی بننے کی شرائط	۷۲
۵۳	درسی علوم کی اہمیت وضرورت	۷۳
۵۴	وصول الی اللہ کے دو طریقے	۷۵
۵۵	رموز تصوف	۷۵
۵۶	اصلاح نفس کی تدبیر	۷۷
۵۷	مصلحین کو ہدایت	۷۸
۵۸	اصلاح نفس میں مشغولی کے وقت نیت کی درستی	۷۹

وعظ

العبدالربانی)

(اللہ والے بن جاؤ)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے یہ وعظ ۱۲ شعبان ۱۳۲۴ھ بروز یکشنبہ مدرسہ عبدالرب دہلی میں بیٹھ کر ارشاد فرمایا جو چار گھنٹہ میں ختم ہوا۔

موضوع تھا علماء اور تعلیم کے حقوق ختم بخاری شریف کے موقع پر بیان فرماتے ہوئے متنبہ فرمایا کہ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد علوم باطنیہ کی تکمیل اور اصلاح باطن کی فکر کرنی چاہئے خود ربانی بن کر دوسروں کو ربانی بنانے کا اہتمام کرو۔ سامعین کی تعداد ۱۵۰۰ کے قریب تھی۔ یہ وعظ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قلمبند فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس وعظ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۲ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم

اما بعد:

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ○ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ط اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ○ ﴾(۱)

''کسی بشر سے یہ بات نہیں ہوسکتی کہ اللہ تعالیٰ (تو) اس کو کتاب اور (دین کی) فہم عطا فرمائیں پھر وہ لوگوں سے (یوں) کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر لیکن (وہ نبی یوں) کہے گا کہ تم اللہ والے بن جاؤ اس وجہ سے کہ یہ کتاب تم دوسروں کو سکھاتے ہو اور خود بھی پڑھتے ہو اور نہ وہ یوں کہے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب قرار دو وہ تم کو کفر کی باتیں کیسے بتلائے گا جبکہ تم مسلمان ہو۔

(۱) آل عمران: ۷۸، ۷۹۔

اطاعت اور عبادت کا فرق

یہ ایک آیت ہے جس میں رد ہے بعض اہل عناد کے ایک اعتراض (۱) کا جو حضرت ﷺ پر کیا گیا تھا, انہوں نے حضور ﷺ پر تہمت لگائی تھی کہ نعوذ باللہ لوگوں کو اپنا بندہ بنانا چاہتے ہیں. اس آیت میں اس کا جواب دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نبوت اور امر بعبادت نفس میں تباین ہے (۲)

''کسی بشر سے یہ بات نہیں ہوسکتی کہ اللہ تعالیٰ (تو) اس کو کتاب اور (دین کی) فہم اور نبوت عطا فرمائیں پھر وہ لوگوں سے (یوں) کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر (خلاصہ یہ کہ نبوت اور امر بالشرک جمع نہیں ہوسکتے) لیکن (ہاں وہ نبی تو کہے گا) کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ بوجہ اس کے کہ تم کتاب الٰہی دوسروں کو بھی سکھاتے ہو اور خود بھی اس کو پڑھتے ہو اور نہ وہ (بشر جس کو نبوت عطا ہوئی) یہ بتادے گا کہ تم فرشتوں کو اور (یا دوسرے) نبیوں کو رب قرار دے دو، (بھلا) وہ تم کو کفر کی بات بتادے گا بعد اس کے کہ تم (فی الواقع یا بزعم خود) مسلمان ہو''۔

یہ ترجمہ تو آیت کا ہوا، شان نزول اس کا یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں جب نجران کے نصاریٰ اور یہود جمع ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کو اسلام کی طرف بلایا تو ایک یہودی (ابورافع قرظی) نے کہا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کرنے لگیں۔ جیسا نصاریٰ حضرت عیسی علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا معاذ اللہ اس پر آیت نازل ہوئی غالبًا اس معترض نے براہ عناد اطاعت وعبادت کو ایک سمجھا (۳) اور دونوں میں فرق نہ کیا تھا اس لئے اعتراض

(۱) دشمن اسلام کے ایک اعتراض (۲) نبوت اور لوگوں کو اپنی عبادت کا حکم دینا ایک دوسرے کی ضد ہیں (۳) آپ ﷺ کے اتباع اور عبادت کو بوجہ دشمنی ایک خیال کیا۔

کردیا کہ کیا آپ ہم کو اپنا بندہ بنانا چاہتے ہیں جواب میں تصریح(۱) کردی گئی کہ نبی ﷺ سے غیر اللہ کی عبادت کا امر محال (۲) ہے باقی اطاعت اور عبادت میں فرق ظاہر تھا اس سے تعرض نہیں کیا گیا(۳) کیونکہ قرآن میں بدیہات سے تعرض (۴) نہیں کیا جاتا، اطاعت تو انسان اپنے ماں باپ اور استاد کی بھی کرتا ہے اور محکوم حاکم کی اطاعت کرتا ہے، تو کیا سب معبود ہیں اور ان کی عبادت کی جاتی ہے، ہرگز نہیں پھر رسول ﷺ کی اطاعت میں عبادت کا شبہ کیوں ہوا، محض عناد کی وجہ سے (۵) اور کچھ نہیں یہ تو آیت کا اجمالاً ترجمہ اور اس کی ضروری تفسیر تھی باقی مجھے اس وقت تمام اجزاء کی تفصیل بیان کرنا مقصود نہیں مقصود صرف ایک جزو کا بیان کرنا ہے۔

آداب تعلیم وتعلم کا فقدان

وہ جزو یہ ہے ﴿ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴾ ''لیکن تم اللہ والے بن جاؤ اس بناء پر کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور خود بھی پڑھتے ہو'' مگر میں نے ادب کی وجہ سے پوری آیت کی تلاوت کردی ہے اس جزو میں حق تعالیٰ نے تعلیم وتعلم (۶) کے کچھ حقوق بیان فرمائے ہیں اور اس وقت زیادہ ضرورت اسی مضمون کی ہے۔ کیونکہ اس وقت زیادہ مقصود جلسہ مدرسہ سے اہل علم کا اجتماع ہے، باقی لوگ ان کے تابع ہیں، کیونکہ اس وقت بعض حضرات نے دورہ حدیث ختم کیا اس لئے ان کو دستار وسند دی جائے گی اور اسی غرض سے ہر سال جلسہ ہوتا ہے، کہ فارغ شدہ طلبہ کو سند وغیرہ دی جائے اور ظاہر ہے کہ اس کام کے لئے صرف علماء ہی کا اجتماع اصل مقصود ہوتا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ

(۱) وضاحت (۲) ناممکن (۳) اسکو بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی (۴) جو باتیں خود واضح ہوں ان سے بحث نہیں کی جاتی (۵) صرف دشمنی کی بنا پر (۶) پڑھنے پڑھانے۔

ضرورت جلسہ کے موافق مضمون بیان ہو صرف وقت ہی پورا نہ کیا جائے، بعض لوگ ایسے موقع میں فضائل علم اور فضائل اعانت علم کا بیان کیا کرتے ہیں گو یہ مضامین بھی فی نفسہ مفید اور ضروری ہیں مگر اس وقت الاھم فالاھم (زیادہ ضروری) کے لحاظ سے اس سے بھی زیادہ ضروری کو مقدم کیا گیا ہے اور وہ آداب تعلیم وتعلم کا مضمون ہے، اور یہ زیادہ ضروری اس لئے ہے کہ اس کی طرف توجہ کم ہے اور علم واعانت علم کی طرف توجہ حاصل ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ خواص کا اثر عوام پر ہوتا ہے اس لئے جس بات کی طرف خواص کی توجہ ہوگی عوام کو بھی اس پر توجہ ہوگی پر تاسف (۱) وہ حالت ہے جس پر خواص کی بھی توجہ نہ ہو تو علم واعانت علم کا مضمون بھی گو ضروری ہے مگر زیادہ ضروری نہیں، کیونکہ خواص کو اس پر پہلے سے توجہ ہے اور ان کے اثر سے عوام کو بھی توجہ ہے اور آداب تعلیم وتعلم کی طرف افسوس یہ ہے کہ خواص کو بھی توجہ نہیں اس لئے یہ زیادہ اہم ہے شاید کسی کو یہاں شبہ ہو کہ اخص الخواص کو توجہ ہے (۲) تو ان کے اثر سے خواص کو بھی توجہ ہو جائے گی۔ اخص الخواص کی توجہ خواص کو متوجہ کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتی، کیونکہ توجہ کا اثر اس پر ہوتا ہے جو اپنے کو محتاج اثر سمجھتا ہو اور اپنے کمال کا مدعی نہ ہو، عوام چونکہ اپنے کو مقتدیٰ نہیں سمجھتے اور اپنی کوتاہیوں کے مقر ہوتے ہیں اس لئے خواص کی توجہ کا اثر ان پر کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے، بخلاف خواص کے، جو اہل علم کہلاتے ہیں کہ وہ خود مقتدیٰ (۳) بننے کے مدعی ہیں اور اپنے کو صاحب کمال سمجھ کر اخص الخواص سے مستغنی سمجھتے ہیں (۴) ان پر اخص کی توجہ کا اثر کم ہوتا ہے، کیونکہ ان میں احتیاج وطلب ہی نہیں وہ تو خود اس کے مدعی ہیں کہ دوسرے ہمارے محتاج ہیں۔

(۱) قابل افسوس (۲) خاص الخاص لوگوں کو تو توجہ ہے (۳) لوگوں کے رہنما (۴) اپنے کو بے نیاز سمجھتے ہیں۔

اخص الخواص کی شان

اخص الخواص(۱) کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے کمالات کی نفی کرتے ہیں جس سے بعض کوتاہ بین(۲) شبہ میں پڑ جاتے ہیں، اور یوں سمجھنے لگتے ہیں کہ جب یہ اپنے منہ سے اقرار کرتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں، مجھے کچھ نہیں آتا، تو اس سے ہم ہی اچھے کیونکہ ہم کو تو بہت کچھ آتا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ قسم کھا کر فرمایا واللہ میں کچھ نہیں ہوں بخدا مجھ میں کچھ بھی کمال نہیں، یہ سن کر ایک صاحب فرمانے لگے کہ ہم تو مولانا کو سچا سمجھتے ہیں، جھوٹا نہیں سمجھتے، جب وہ خود قسم کھا کر یوں کہتے ہیں کہ مجھ میں کچھ کمال نہیں تو ہم بھی ان کو ایسا ہی سمجھتے ہیں، کہ وہ صاحب کمال نہیں ہیں۔ یہ تو اہل عناد کا قول ہے، وہ اگر ایسا کہیں تو کچھ عجیب نہیں مگر غضب یہ ہے(۳) کہ اس جملہ سے بعض معتقدین کو بھی شبہ ہو گیا وہ یہ تو نہ کہہ سکے کہ مولانا صاحب کمال نہیں ہیں مگر تردد(۴) میں پڑ گئے کہ بزرگ جھوٹی قسم نہیں کھاتے، جب مولانا قسم کھا کر اپنے کمال کی نفی کر رہے ہیں تو ہم کیا سمجھیں، اپنے اعتقاد کو صحیح سمجھیں، یا مولانا کی قسم کو، چنانچہ بعض حضرات اہل علم نے خود مجھ سے یہ شبہ بیان کیا میں نے کہا لا الٰہ الا اللہ تم کس شبہ میں پڑ گئے، میاں تمہارا اعتقاد بھی سچا اور مولانا کی قسم بھی سچی تم جن کمالات کی وجہ سے مولانا کے معتقد ہو ان کے اعتبار سے مولانا نے قسم نہیں کھائی اور جن کمالات کے اعتبار سے انہوں نے قسم کھائی ہے وہ اعتقاد کا موقوف علیہ نہیں(۵) تفصیل اس کی یہ ہے کہ کمالات غیر متناہی ہیں(۶) کسی درجہ پر کمال کی انتہا نہیں ہے ایک عارف فرماتے ہیں۔

---

(۱) علماء میں سے بھی جو بڑے درجہ کے علماء ہیں (۲) کم سمجھ لوگ (۳) مگر افسوس تو ہے (۴) شک میں مبتلا ہوئے (۵) تمہارا اعتقاد ان کمالات پر موقوف نہیں (۶) کمالات کی کوئی حد نہیں۔

نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا کہ می بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

''محض دوڑنے سے طریق عشق ہرگز طے نہیں ہوتا اس لئے کہ مثل انگور کے کاٹنے کے خود بخود بڑھتا ہے''

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اے برادر بے نہایت در گہیست ہرچہ بروئے میرسی بروئے مایست

یہی توجیہ ہے.....رب زدنی علما (اے اللہ میرے علم میں ترقی عطا فرما) تعلیم فرمانے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود افضل الرسل ہونے کے حکم ہورہا ہے کہ دعا میں رب زدنی علما کہا کیجئے کیونکہ آپؐ کے علوم بھی ترقی پذیر ہیں۔ گو آپؐ: (اعلم الناس واعرف الخلق) ''سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے عارف'' ہیں، مگر پھر بھی علوم ومعارف کا انتہا نہیں ہوا، ترقی کی آپ درخواست برابر کرتے رہیں۔ بعض عارفین کا قول ہے کہ جنت میں پہنچ کر بھی یہ ترقی بند نہ ہوگی۔ وہاں بھی روز بروز درجات معرفت بڑھتے رہیں گے، اور حق تعالیٰ کی ذات ایسی لامتناہی بالفعل کے اعتبار سے ان کے کمالات کا کچھ انتہا نہیں ادھر اس کی معرفت کے مراتب یعنی لاتقف عند(۱) غیر متناہی کیونکر ہوسکتے ہیں۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں بمیرد تشنہ مستسقی ودریا ہمچناں باقی

''نہ ان کے حسن کی کوئی انتہا ہے نہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی انتہا ہے جیسے جلندھر کا پیاسا مرجاتا ہے اور دریا باقی رہتا ہے۔

جب مراتب معرفت کا غیر متناہی ہونا معلوم ہوگیا تو اب جواب کا حاصل یہ ہے کہ مولانا کی نظر کمالات موجودہ پر نہ تھی بلکہ کمالات آئندہ پر تھی، اور آئندہ کے

(۱) اللہ کی ذات لامتناہی اس کے معارف بھی لامتناہی۔

مراتب پر نظر کر کے یہ کہنا صحیح ہے کہ میں کچھ بھی نہیں، جیسے شرح جامی پڑھنے والا منتہی(۱) عالم کو دیکھ کر کہتا ہے کہ واللہ میں تو کچھ نہیں مجھے تو کچھ بھی نہیں آتا، عالم فلاں شخص ہے میں اس کے سامنے جاہل محض ہوں اور جیسا کہ قل ھو اللہ کا حافظ پورے قرآن کے حافظ کو دیکھ کر کہتا ہے کہ واللہ میں حافظ نہیں ہوں، حافظ تو یہ ہے تو کیا آپ اس قسم کو جھوٹا کہیں گے ہرگز نہیں۔ کیونکہ وہ جس درجہ پر نظر کر کے قسم کھا رہا ہے اس درجہ کے لحاظ سے اس کی قسم سچی ہے، اور جس درجہ میں آپ اس کو عالم یا حافظ سمجھ رہے ہیں اس درجہ پر اس کی نظر ہی نہیں، بلکہ پورے عالم اور پورے حافظ کے سامنے اپنے علم کو علم اور اپنے حفظ کو حفظ کہنے سے بھی شرماتا ہے، اسی طرح یہاں سمجھئے کہ جب عارف پر عظمت حق کا انکشاف ہوتا ہے(۲) اس وقت وہ اپنے کو لاشئے اور عدم محض سمجھتا ہے(۳) خدا تعالیٰ کے وجود کے سامنے اپنے وجود کو لاشئے سمجھتا ہے، اس کے علم کے سامنے اپنے علم کو نیست و نابود سمجھتا ہے، اور اس کے کمالات کے سامنے اپنے کمالات کو نقائص سمجھتا ہے، اس وقت تو اس کا یہ حال ہوتا ہے۔

باوجودت زمن آواز نیاید کہ منم　　''اس کے باوجود اس کے اندر سے آواز نہیں آتی کہ میں کچھ ہوں''۔

سعدی رحمۃ اللہ علیہ خوب فرماتے ہیں:

یکے قطرہ از ابر برنیساں چکید　　خجل شد چو پہنائے دریا بدید

''قطرہ اسی وقت تک اپنے کو کچھ سمجھ سکتا ہے جب تک اس نے دریا کو نہیں دیکھا، اور جب دریا سامنے آتا ہے اس وقت شرمندہ ہو کر یوں کہتا ہے''۔

کہ جائے کہ دریاست من کیستم　　اگر اوست حقا کہ من نیستم

(۱) جس نے تمام کتابوں کا علم حاصل کیا ہوا ہو (۲) عظمت الٰہی کھل جاتی ہے (۳) اس وقت وہ خود کو اور اپنے علم کو کہتا ہے کہ میں اور میرا علم کچھ بھی نہیں۔

''دریا کے سامنے میں کیا چیز ہوں اگر اس کا وجود ہے تو سچ یہ ہے کہ میں کچھ نہیں ہوں''۔

اس پر تفریع کر کے سعدی فرماتے ہیں:

ہمہ ہر چہ مستند ازاں کمتراند　　کہ یاہ بستیش نام ہستی برند

حقیقت میں کمالات حق کے سامنے کسی کا منہ نہیں ہے جو اپنے لئے کوئی کمال بھی ثابت کر سکے، مگر چونکہ ہم پر عظمت حق وکمالات حق کا انکشاف نہیں ہوا(۱) اور ہمارا دماغ دعویٰ سے پر ہے، ہم اپنے کو بہت کچھ سمجھتے ہیں اس لئے مولانا کی یہ باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور حیرت ہوتی ہے کہ مولانا نے قسم کھا کر کیونکر اپنے کمالات کی نفی کردی ہے(۲) ہمارے اوپر وہ حالت گذری نہیں جوان پر گذرتی تھی، اور مولانا نے جتنی بات کہی ہے یہ تو کچھ بھی نہیں وہ تو اس سے زیادہ بھی کہتے (یعنی اپنی ہستی کی بھی نفی (۳) کرتے) مگر عوام کے فتنہ کے خیال سے پوری حقیقت نہیں کھولی، افسوس ہم آج کل ایسے زمانہ میں ہیں جس میں ہم کو ان اقوال کی تفسیر کرنا پڑتی ہے، جن میں کچھ بھی اشکال نہیں اور اگر اس سے زیادہ حقائق کو بیان کیا جائے تو ان کو شاید تفسیر کے بعد بھی لوگ نہ سمجھیں۔ پس سخن کوتاہ باید والسلام (۴) غرض اخص تو اپنے کمالات کی نفی کرتے ہیں اور خواص مدعی ہیں (۵) اس لئے کسی امر پر اخص کی توجہ خواص کی توجہ کو مفید نہیں ہوتی، اس لئے وہ اشکال رفع ہوگیا کہ اس مضمون پر اخص الخواص کو تو توجہ ہے (۶) ان کے اثر سے خواص کو بھی توجہ ہوجاوے گی، جیسا کہ خواص کی توجہ سے عوام کو توجہ ہوجاتی ہے پھر بیان کی غایت توجہ کیسے ہوگی اور یہاں سے

(۱) اللہ کی عظمت اور اس کے کمالات ہم پر آشکار نہیں ہوئے (۲) اپنے کمالات کا انکار کردیا (۳) اپنے وجود ہی کا انکار کردیتے (۴) پس اپنی بات یہیں ختم کردو اور بس (۵) بڑے بڑے اکابرین تو اپنے کمالات کا انکار کرتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے علماء علم کا دعویٰ کرتے ہیں (۶) بڑے بڑوں کو تو توجہ ہے۔

معلوم ہوا کہ سلامتی اس میں ہے یا تو انسان محقق ہو، یا مقلد ہو، اخص الخواص محقق ہیں اور عوام مقلد محض ہیں اور جو بیچ کے لوگ ہیں یعنی خواص جو نہ محقق ہیں نہ مقلد ہیں، یہ خطرہ میں ہیں علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ اے عزیز! اگر تو محقق نہیں تو مقلد ہو جا اور مقلد بھی نہیں تو کم از کم محققین کے علوم کا انکار تو نہ کر بعض ایسے بھی ہیں جو ان علوم کی تقلید نہیں کرتے تو انکار بھی نہیں کرتے۔ یہ بھی غنیمت ہیں مگر بعض تو ان پر اعتراض کرتے ہیں ان کی اصلاح سے مایوسی ہے غرض یہ مضمون نہایت اہم ہے کیونکہ ان پر عوام وخواص دونوں ہی کو توجہ نہیں ہے۔

صحیح تعلیم

اب وہ مضمون سنئے! ارشاد ہے: ﴿وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ﴾ ''لیکن اللہ والے بن جاؤ'' تقدیر کلام اس طرح ہے (ولکن ینبغی له ان یقول کونو ربانین) یعنی رسول سے یہ تو نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کا امر کریں (۱) ہاں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ وہ حکم دے سکیں گے۔ (كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ) ''اللہ والے بن جاؤ''

جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ والے ہو جاؤ ''ربانی'' میں یاء نسبت ہے اور الف ونون مبالغہ کے لئے بڑھایا گیا ہے قرآن میں ایک مقام پر اصل کے مواقف ربیـــــون بھی آیا ہے اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو اللہ والا بننے کا حکم فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور رسول اللہ ؐ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔

فبای حدیث بعده یومنون۔ (۲) ''پس اور کون سی بات پر ایمان لاؤ گے''

سب مسلمانوں کو عموماً اور اہل علم کو خصوصاً ضروری ہے اس پر توجہ کریں اور

(۱) حکم دیں (۲) سورۃ الاعراف: ۱۸۵۔

دیکھیں کہ اس میں ان سے کیا کوتاہی ہورہی ہے غور کے بعد معلوم ہوجائے گا کہ وہ کوتاہی کیا ہے، آگے اس امر کو اس امر کے ساتھ معلل فرماتے ہیں اس پر بھی اہل علم کو غور کرنا چاہیے وہ علت یہ ہے ﴿ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴾

حاصل یہ ہوا کہ چونکہ تم کتاب پڑھتے پڑھاتے ہو اس لئے تم کو اللہ والا بننا چاہیے، کتاب معہود سے یا تو کتاب مراد ہے (یعنی قرآن) یا جنس کتاب مراد ہے یعنی کتب دینیہ، لیکن لام جنس کی صورت میں بھی ہر قسم کی کتابیں خواہ ان کو دین سے تعلق ہو یا نہ ہو مراد نہیں ہوسکتیں بلکہ کتب دینیہ مراد ہیں کیونکہ اس جگہ ''تعلمون الکتاب'' علت بنایا گیا ہے ''کونوا ربانیین'' کا پس اسی کتاب کی تعلیم وتدریس مراد ہوسکتی ہے جس کو اللہ والا بنانے میں دخل ہو اور ظاہر ہے کہ یہ اثر کتب دینیہ ہی کی تعلیم میں ہے نہ کہ اور کتب کی تعلیم وتعلم میں، لہذا جنس کو عموم کلی پر محمول نہیں کیا جاسکتا(۱) یہ تفصیل میں نے اس لئے بیان کی کہ آج کل تعلیم کے لفظ کا نئی تعلیم پر بھی اطلاق ہونے لگا ہے، یعنی انگریزی تعلیم پر۔ چنانچہ اخباروں اور رسالوں میں جب تعلیم کے اہتمام پر زور دیا جاتا اور انگریزی کی ضرورت کو ظاہر کیا جاتا ہے تو جہل کی مذمت وعلم کی فضیلت وضرورت میں جو آیات واحادیث وارد ہیں ان کو استدلال میں پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان آیات واحادیث میں علم سے مراد عام علم ہے، جس کا مصداق علم دنیا بھی ہے، یاد رکھو یہ سراسر تحریف ہے اور اصطلاحات شرعیہ کا بدل دینا ہے، اس سے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی پرانی شکایت تازہ ہوگئی وہ فرماتے ہیں منجملہ احداثات کے ایک احداث یہ بھی ہے(۲) کہ الفاظ شرعیہ کو ان کے معانی شرعیہ سے بدلا جاتا ہے، چنانچہ اے عزیز تم نے فقہ کے نئے معنی گھڑ

(۱) یعنی کتاب سے ہر کتاب مراد نہیں ہوسکتی یا قرآن مراد ہے یا کتب دینیہ (۲) بدعتوں میں سے ایک بدعت یہ بھی ہے۔

لئے ہیں کہ صرف مسائل حیض وصلوٰۃ وغیرہ کا نام فقہ رکھ لیا ہے اور اس فقہ کا نام رکھ کر تمام ان فضائل کو اپنے اوپر منطبق کرلیا جو فقہاء کے لئے وارد ہوئے ہیں، حالانکہ نص (۱) میں فقہ سے مراد مجموعہ علم وعمل ہے اور وہ فضائل علماء عاملین (۲) کے لئے مخصوص ہیں مگر تم نے اصطلاح شرعی کو بدل کر صغریٰ تو خود گھڑ لیا کہ نحن فقیھا (ہم فقیہ ہیں) اور کبریٰ نصوص واحادیث سے اخذ کیا۔ (ومن کان فقیھا فقد ارادالله به خیرا وھو کذا وکذا) (۳) پھر ان سے نتیجہ نکال لیا (نحن قد اراد الله بنا خیرا ونحن کذا ونحن کذا تمنی العلماء ورثة الانبیاء) (۴) (وفضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم) (۵) (وفیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد وغیره) (۶) یاد کر کے اپنے آپ کو بھی علماء وفقہاء میں داخل کرلیا حالانکہ دیکھنا یہ ہے کہ قرآن نے بھی آپ کو عالم کہا ہے یا نہیں۔

حقیقی علم

سو سنئے قرآن نے علماء بنی اسرائیل کی نسبت اول تو ﴿وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰهُ مَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ کہا پھر فرمایا ﴿وَ لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ (۷) ''اور بری ہے وہ چیز جس میں یہ لوگ اپنی جان دے رہے ہیں کاش ان کی اتنی عقل ہوتی''

اول لقد علموا ان کی اصلاح کے موافق فرمایا کیونکہ وہ بھی محض جان لینے

(۱) قرآن وحدیث (۲) عالم باعمل (۳) اور جو فقیہ ہو اس کے لئے اللہ پاک نے فلاں فلاں خیر مقدر فرمائی ہے (۴) یہ باتیں یاد کرلی ہیں کہ اللہ نے ہمارے لئے خیر کو مقدر فرمایا ہم ایسے ہیں ہم ویسے ہیں۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں (سنن ابن ماجہ: ۲۲۳) (۵) عالم کی فضیلت ایک عباد پر ایسی ہے جیسی میری تم میں سے ادنیٰ پر (سنن الترمذی: ۲۶۸۵، سنن الدارمی: ۱/۷۷) (۶) ایک فقیہ کو بہکانا شیطان کے لئے ایک ہزار عبادت گزاروں کو بھکانے سے زیادہ مشکل ہے (سنن الترمذی: ۲۶۸۱، سنن ابن ماجہ: ۲۲۲) (۷) البقرہ: ۱۰۲۔

اور لکھ پڑھ لینے کو علم کہتے تھے پھر لو کانوا یعلمون اپنی اصلاح کے موافق فرمایا جس میں ان سے علم کی نفی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اصطلاح شریعت میں الفاظ و معانی کا نام علم نہیں، ورنہ یہ تو علماء بنی اسرائیل کو حاصل تھا، اس کی نفی ان سے کیونکر ہوسکتی ہے، بلکہ علم الفاظ کے ساتھ جب عمل بھی ہو تو اس وقت وہ علم کہلانے کا مستحق ہوتا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں: ان من العلم لجهلا (۱) ''بعض علم عنداللہ جہالت ہے'' بھی وارد ہے اور ظاہر بات ہے کہ ایک ہی چیز علم و جہل نہیں ہوسکتی اس لئے مطلب حدیث کا یہ ہے ان من العلم عندالناس لجهلا عنداللّٰه ''کہ بعض علم جس کو عرفا علم سمجھا جاتا ہے وہ خدا کے نزدیک جہل ہوتا ہے''

معلوم ہوا کہ شریعت میں محض دانستن ونادانستن کا نام علم نہیں (۲) بلکہ ان کی حقیقت کچھ اور ہے وہ وہی ہے جس کو ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ بعض علم حجة اللّٰه على العبد ہے جبکہ وہ اس کے اقتضاء پر عمل کرے۔ پس اب دیکھنا چاہئے کہ ہم جو اپنے کو عالم اور فقیہ سمجھتے ہیں ہمارا علم اس کے موافق کہاں تک ہے، ہماری حالت یہ ہے کہ ہمارے اندر تکبر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے ہم کو اپنے علم پر ناز ہے، دوسرے مسلمانوں کو ہم اپنے سے کم تر اور حقیر سمجھتے ہیں، اور جلسوں میں جو علم کے فضائل ہم بیان کرتے ہیں اس سے مقصود اپنی فضیلت کا ظاہر کرنا ہوتا ہے، کہ ہم اس درجہ کے ہیں ہماری تعظیم کرنا چاہئے مگر علماء کو اس طرز سے شرم کرنا چاہئے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس درجہ میں ہیں۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ عمل نہ ہوسکے تو علم نہ پڑھو کہ اپنے اوپر حجت الٰہی کیوں قائم کریں، جیسا کہ میرے پاس ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میرا جی مرید ہونے کو چاہتا ہے مگر میں نے سنا ہے کہ مرید ہو کر داڑھی رکھنی پڑے گی اس لئے مجبور ہوں کیونکہ میں داڑھی منڈاتا ہوں۔ اس اللہ کے بندے

(۱) سنن ابی داؤد: ۵۰۱۲، فتح الباری لابن حجر ۱۰: ۵۴۰ (۱) جاننے یا نہ جاننے کا نام علم نہیں ہے۔

نے داڑھی کے خیال سے مرید ہونے کا ارادہ ہی ملتوی کر دیا۔

شادم کے از رقیباں دامن کشاں گذشتی گو مشت خاک ما ہم برباد رفتہ باشد

''ہم خوش ہیں کہ رقیبوں سے دامن بچا کر گزرے اگرچہ ہماری ہی مٹھی بھر مٹی برباد ہو جائیگی''

ہم اس سے خوش ہیں کہ اس نے اتنا تو سمجھا کہ مرید ہوکر داڑھی رکھنا پڑے گی، ورنہ آج کل تو یہ آفت ہے(۱) کہ بہت لوگ طریقت وشریعت کو جدا جدا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اعمال ظاہرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس دل سے خدا کی یاد ہونا چاہئے تو بتایئے اس شخص کو آپ کیا رائے دیں گے کیا آپ یہی کہیں گے کہ تم مرید نہ ہو، کیونکہ داڑھی رکھنا پڑے گی یا کہیں گے کہ بھائی داڑھی بھی رکھو اور مرید بھی ہو جاؤ۔ اگر دونوں کام نہ ہوسکیں۔ تو ایک کی وجہ سے دوسرے کو کیوں ملتوی کیا، مرید ہو جاؤ، تاکہ ایک کام تو نیک ہو جائے۔ گو اس کے ساتھ ایک گناہ بھی ملا ہوا ہے اسی طرح بعض عوام کا خیال ہے کہ وعظ سن کر عمل کرنا پڑے گا اس لئے وعظ ہی نہ سننا چاہئے، یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ اس وقت آپ کے اوپر دو جرم قائم ہوں گے ایک ترک علم کا ایک ترک عمل کا اور وعظ سن کر عمل نہ کیا تو صرف ترک عمل کا گناہ ہوگا ترک علم کا گناہ تو نہ ہوگا ایسے ہی یہاں سمجھو کہ جو علم عمل سے مجرد ہو(۲) گو وہ حجة اللّٰہ علی العبد (۳) ہے مگر جہل محض سے پھر اچھا ہے، کیونکہ اس پر ایک ہی جرم قائم ہوگا یعنی ترک عمل (۴) کا اور اگر علم بھی حاصل نہ کیا تو دوسرا جرم ترک علم کا بھی قائم ہوگا، غرض گو یہ علم جہل محض سے اچھا ہے مگر ان فضائل کا مصداق نہیں (۵) یہ جو نصوص میں وارد ہیں کیونکہ اس کے مقتضا پر عمل نہیں ہے اور وہ فضائل مجموعہ علم وعمل کے لئے ہیں۔

(۱) مصیبت ہے (۲) عمل سے خالی ہو (۳) بندے کے خلاف ایک دلیل ہے (۴) عمل نہ کرنے کا (۵) ایسا علم مطلق جہالت سے تو اچھا لیکن باعث فضیلت نہیں۔

ہماری حالت

ہمارے عمل کی یہ حالت ہے کہ مولوی صاحب تکبر کی وجہ سے کسی عامی (۱) کو کبھی خود سلام نہ کریں گے، میں خود اپنی حالت بیان کرتا ہوں کہ راستہ میں کوئی ایسا مسلمان ملتا ہے جو اصطلاحی عالم نہ ہو تو اس کی ابتداء سلام کرنے کی ہمت نہیں ہوتی مگر آج کل عوام نے ہم جیسے متکبر علماء کی حالت پر رحم کر کے اور ہماری رعایت کر کے اور اپنی صورتیں بگاڑ دیں کہ بعض دفعہ سلام کرنے کا خیال بھی ہوتا ہے تو صورت دیکھ کر تردد پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ مسلمان ہے یا ہندو، اور اسی طرح سے سلام کرنے سے بچتے رہتے ہیں سو یہ ان صاحبوں کا احسان ہے کہ ان بیچاروں نے اپنی صورت بگاڑ کر ہمارے ہاتھ میں ایک عذر دے دیا۔ چنانچہ بریلی میں بھائی سے ملنے کو دو شخص آئے ایک تھانیدار صاحب تھے یہ مسلمان تھے مگر صورت سے ہندو معلوم ہوتے تھے داڑھی بالکل صاف اور مونچھیں بڑی بڑی اور ایک تحصیلدار صاحب تھے جن کی داڑھی خوب لمبی اور مونچھیں کتری ہوئی تھیں وہ ہندو تھا۔ بھائی نے نوکر سے پان لانے کو کہا تو اس نے خاصدان ہندو تحصیلدار کے سامنے رکھ دیا کیونکہ وہ مسلمان معلوم ہوتا تھا نوکر کے اس فعل پر تھانیدار ہنسا نوکر فوراً سمجھ گیا اس نے تھالی ان کے سامنے کر دی، بھائی نے کہا افسوس آپ نے ایسی صورت بنائی ہوئی ہے جس میں اسلام کا کوئی اثر نہیں تو شاید ان لوگوں نے یہ صورت ہمارے حال پر رحم کر کے اختیار کی ہے تاکہ ہم کو ترک سلام کے لئے بہانہ مل جائے کہ ہم سلام کیسے کریں یہ تو صورت سے سب ہی ہندو معلوم ہوتے ہیں، یہ تو ایک لطیفہ تھا مگر مجھے علماء سے شکایت ہے کہ ہم لوگ اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں۔ عوام کو سلام کرنے

(۱) عام آدمی کو۔

سے ہم کو عار(۱) آتی ہے جبکہ اس کے منتظر رہتے ہیں کہ پہلے دوسرے ہم کو سلام کریں ہم عوام کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں حالانکہ مناسب یہ تھا کہ ہم ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرتے بتلایئے اگر ایک تندرست آدمی بیمار کو دیکھے تو اس کو مریض کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے ظاہر ہے کہ اس کو دیکھ کر رحم آتا ہے۔ ایسے ہی مناسب یہ تھا کہ علماء عوام پر رحم کرتے اور ان سے شفقت برتتے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت یہی ہے۔

شفقت نبوی ﷺ

حضور ﷺ کی شفقت کا اندازہ اس آیت سے ہوتا ہے۔ ﴿ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ﴾(۲) ''شاید آپ غم کی وجہ سے اپنے کو ہلاک کر ڈالیں گے کہ وہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہیں لاتے''

کیا ٹھکانا ہے شفقت کا کہ حق تعالیٰ اس کی وجہ سے آپ کی ہلاکت کا اندیشہ ظاہر فرماتے ہیں اور ظاہر ہے کہ قرآن میں مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا۔ تو واقعی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفقت اس درجہ کو پہنچی ہوئی تھی اور اس سے ہم لوگوں کو بڑی امید ہے کہ جب آپ ﷺ کو دشمنوں پر یہ شفقت تھی تو اپنے خدام پر تو کیا کچھ شفقت ہوگی۔

دوستاں را کجا کنی محروم کہ بادشمناں نظر داری

''دوستوں کو کب محروم کروگے جبکہ دشمنوں پر آپ کی نظر عنایت ہے''

غرض سنت رسول ﷺ یہ ہے کہ مبتلائے جہل (۳) پر رحم کیا جائے واقعات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے کفار کے ساتھ ہمیشہ شفقت کا معاملہ فرمایا ہے۔

(۱) شرم (۲) سورۃ الکہف (۳) جو آدمی جاہل ہو۔

چنانچہ ایک بار آپ ﷺ دعوت اسلام کے لئے طائف تشریف لے گئے تو وہاں کے رئیسوں نے آپ ﷺ کو سخت جواب دیا اور اتباع سے انکار کیا، اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ اوباشوں (۱) کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا جنہوں نے حضور ﷺ پر پتھر برسائے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی ایڑی مبارک سے خون بہنے لگا اس وقت غضب الٰہی جوش میں آیا اور حق تعالیٰ کے حکم سے جبرئیل علیہ السلام ملک الجبال (۲) کو ساتھ لیکر حاضر ہوئے اور فرمایا اے محمد ﷺ! حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کی قوم کا جواب سنا اور ان کا معاملہ آپ ﷺ کے ساتھ دیکھا اب یہ ملک الجبال آپ ﷺ کے حکم کے تابع ہے آپ جو چاہیں اس کو حکم دیں اگر آپ چاہیں تو یہ اسی وقت مکہ اور طائف کے پہاڑوں کو باہم ٹکرا کر سب آدمیوں کو پیس ڈالے گا۔ صاحبو تم دنیا کے محکموں کو دیکھتے ہو حق تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا محکمہ ہے پہاڑوں کا بھی ایک محکمہ ہے جس پر فرشتے مقرر ہیں اور پہاڑ ان کے حکم کے تابع ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں فرشتے پہاڑوں کو ہلا دیتے ہیں جس سے زلزلہ آجاتا ہے بعضے پہاڑ پھٹ جاتے ہیں کسی سے چشمے ابلنے لگتے ہیں اسی طرح ہوا کا ایک محکمہ ہے اس پر بھی فرشتے مقرر ہیں پانی کا بھی ایک محکمہ ہے پھر ایسے محکمے باطنی کائنات میں بھی ہیں اسی کو سنائی کہتے ہیں۔

آسماں ہاست در ولایت جان　　کار فرمائے آسمان جہان
در رہ روح پست وبالا ہاست　　کوہ ہائے بلند وصحرا ہاست

'' ولایت جان میں بہت سے آسمان ہیں جو ظاہری آسمان میں کارفرما ہیں روح (باطن) کے راستہ میں نشیب وفراز کوہ صحرا موجود ہیں''۔

(۱) آوارہ لڑکوں (۲) اس فرشتے کو لیکر حاضر ہوئے جو یہاں پہاڑوں پر تصرف کرتا ہے۔

غرض جس طرح ظاہر میں ہر چیز کے محکمے ہیں اسی طرح باطن میں بھی بہت سے محکمے ہیں جن سے ہم لوگ غافل ہیں حالانکہ یہ ظاہری محکمے تابع ہیں باطنی محکموں کے، حکام ظاہری وہی کرتے ہیں جو حکام باطنی حکم دیتے ہیں ان کی حکومت قلوب پر ہے (۱) اور حکام ظاہری کی حکومت اجسام پر، غرض ملک الجبال (۲) حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کے حکم کے تابع ہوں جو چاہے حکم دیجئے اگر آپ چاہیں تو میں پہاڑوں کو آپس میں ٹکرا کر ان سب کافروں کو پیس ڈالوں جنہوں نے آپ کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اور میری قوم کو چھوڑ دو میں جانوں اور وہ مجھے جانیں، مجھے امید ہے کہ شاید ان میں سے یا ان کی اولاد میں سے کچھ لوگ موحد پیدا ہوں پھر خدا تعالیٰ سے عرض کیا کہ خداوندا! ان کی ہلاکت سے مجھے کیا نفع' میں تو چاہتا ہوں کہ آپ ان کی آنکھیں کھول دیں تاکہ یہ مجھے پہچان لیں یہ اندھے ہیں مجھے پہچانتے نہیں، اس لئے ایسا برتاؤ میرے ساتھ کرتے ہیں۔ یا رب اھد قومی فانھم لا یعلمون ''اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ مجھے نہیں جانتے'' کا یہی حاصل ہے حضور ﷺ کی شفقت تو اعداء (۳) پر اس قدر تھی اور اعداء بھی کون جو رات دن ایذائیں (۴) دیتے تھے اور افسوس ہے کہ ہم کو احباب سے بھی اس قدر شفقت نہیں۔

عوام کی غلطی

مگر اسی کے ساتھ مجھے عوام کی بھی شکایت ہے اگر علماء ان کے ساتھ سختی کرتے ہیں تو ان کو اس سے ناگواری کیوں ہوتی ہے آخر وہ اطباء جسم کے نخرے بھی اٹھاتے ہیں اور ان کی سختی کو ہر طرح برداشت کرتے ہیں کیوں؟ محض اس لئے کہ

(۱) دلوں پر ہے (۲) پہاڑوں پر مامور فرشتہ (۳) دشمنوں (۴) تکالیف۔

صحت مطلوب ہے اور مطلوب کی تحصیل کے لئے سختی اور دشواری سب کچھ گوارا ہوا کرتی ہے پھر کیا صحت دین آپ کو مطلوب نہیں اگر مطلوب ہے تو اطباء باطن (۱) کی سختی اور دشواری بھی ناگوار نہیں ہونا چاہئے صاحبو! اگر کسی کی گنی (۲) کھوگئی ہو اور ایک آدمی کے پاس اس کا پتہ ملے اور تم اس سے مانگنے جاؤ اور وہ زور سے اس کو تم پر دے مارے کہ جالے جا تو اس سختی کی وجہ سے اس گنی کو آپ یہ کہہ کر دوبارہ پھینک دیں گے کہ اس طرح دینے سے ہم نہیں لیں گے پھر اگر کوئی ہمیں اچھی بات بتلادے گو سختی ہی سے کہتا ہو اس پر اس کو آپ کس لئے پھینکتے ہیں، اور وہاں ناک منہ کیوں چڑھاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو گنی تو مطلوب ہے دین نہیں مطلوب اس لئے کہ بعض لوگ اس تلاش میں رہتے ہیں کہ ایسا ملے جو مریدوں کی خاطر کرتا ہو چنانچہ ایک تعلق دار صاحب نے لکھنؤ میں مجھ سے خود کہا کہ کوئی ایسا پیر بتلاؤ جو مریدوں کی قدر کرتا ہو۔ مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو مریدوں کی بہت ذلت کرتے ہیں، میں نے دل میں کہا حضرت آپ کو طلب ہی نہیں طلب ہوتی تو مقصود تک پہنچانے والے کی ہر سختی گوارا ہوتی طالب کی شان تو ایسی ہوتی ہے جیسے وزیر حیدر آباد کا قصہ ہے کہ وہ شاہ فضل الرحمٰن صاحب کی زیارت کو آئے تو مولانا نے فرمایا اسے نکال دو صاحبزادہ نے عرض کیا حضرت یہ حیدر آباد کے وزیر ہیں فرمایا: تو پھر میں کیا کروں مجھے کوئی حیدر آباد سے تنخواہ تو نہیں ملتی جو میں وزیر صاحب سے ڈر جاؤں وزیر ہوں گے اپنے گھر کے پھر عرض کیا حضرت یہ بہت دور سے مشتاق ہو کر آئے ہیں بڑے اصرار کے بعد فرمایا کہ اچھا رات کے دو بجے تک رہنے کی اجازت ہے دو بجے کے بعد چلے جائیں اس وزیر کا ادب دیکھئے کہ اس کو حضرت کے ارشاد سے ذرا بھی ناگواری نہیں ہوئی اور رات کے دو بجتے ہی خانقاہ

(۱) باطنی طبیب یعنی علماء (۲) سونے کا ایک سکہ۔

سے چلے گئے کسی نے کہا بھی کہ حضرت تو سو رہے ہیں ان کو کیا خبر ہوگی آپ صبح کو چلے جائیں کہا نہیں اب حضرت کی اجازت نہیں اور بزرگوں کے حکم کے خلاف کرنا بے ادبی ہے کوئی دوسرا ہوتا تو ایک منٹ کو بھی نہ ٹھہرتا۔ اور ناک منہ چڑھا کر فورا چل دیتا مگر وہ طالب تھا اس لئے جتنی دیر کی اجازت تھی اتنی دیر قیام کو غنیمت سمجھا اور وقت کے بعد چلا گیا صاحبو! اگر آپ کسی حاکم کے پاس جائیں اور وہ بات چیت میں سختی کرے مگر فیصلہ آپ کے موافق کردے تو تم اس کی تعریف کروگے یا شکایت۔ مشاہدہ ہے کہ اس صورت میں حاکم کی بہت تعریف کی جاتی ہے اور اس کی سختی میں حکمتیں بیان کی جاتی ہیں حاکم نے ہمارے ساتھ ابتداء میں سختی کا برتاؤ اس لئے کیا تا کہ کسی کو رعایت طرفداری کا وہم نہ ہو۔

اے اللہ! ایک دنیادار حاکم کے افعال میں تو حکمت ہو اور خادمان دین کے افعال میں حکمت نہ ہو یہ کیسی بے انصافی ہے پس اگر کوئی پیر تمہارے ساتھ سختی کرے، مگر اس کے ہاتھ سے تمہارا کام بن جاوے تو ہزار بار مبارک۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے باپ اپنے بچہ پر سختی کرتا ہے کہ یہاں نہ بیٹھو فلاں فلاں آدمیوں سے نہ ملو اور یہ چیز نہ کھاؤ وقت پر پڑھنے جاؤ اور اگر وہ کبھی اس کے خلاف کرتا تو بیٹے کو سزا دیتا ہے، مگر اس میں کوئی باپ کو ظالم نہیں کہتا بلکہ اس سختی کو بیٹے کے حق میں شفقت و رحمت سمجھتے ہیں پھر مشائخ کی سختی کو بھی شفقت پر کیوں نہیں محمول کیا جاتا۔ یہ تو درمیان میں عوام کی شکایت کا جواب تھا جو بطور جملہ معترضہ کے بیان ہوگیا اس کا حاصل یہ ہے کہ علماء اگر سختی کریں تو آپ کو شکایت اور ناگواری کا حق نہیں کیونکہ تم دنیا کے واسطے اس سے بھی زیادہ سختی کو خوشی سے برداشت کرتے ہو، پھر دین کے واسطے کیوں نہیں برداشت کرتے ہاں اگر تم دنیا کے واسطے بھی کسی حاکم اور

طبیب اور وکیل وغیرہ کی سختی کو برداشت نہ کیا کرتے تو پھر واقعی تمہاری شکایت کسی درجہ میں صحیح ہوتی۔

علماء کو تنبیہ

اب میں پھر علماء کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ آپ کو عوام کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرنا چاہئے ان کو ذلیل وحقیر نہ سمجھنا چاہئے۔ شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ آپ وعظ فرمارہے تھے کہ اسی مجلس میں ایک شخص پر نظر پڑی جس کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچا تھا، کوئی آج کل کا مولوی ہوتا تو وعظ ہی میں اس کی خبر لیتا یا کچھ بھی نہ کہتا مگر شاہ صاحب نے وعظ میں تو اس سے کچھ تعرض(۱) نہ کیا کیونکہ آداب وعظ میں سے یہ بات ہے کہ وعظ میں تعرض خاص(۲) نہ ہو، بلکہ خطاب عام ہونا چاہئے اور امر بالمعروف کو ترک بھی نہیں کیا بلکہ جب وعظ ہو چکا تو آپ نے ان صاحب سے فرمایا کہ تم ذرا ٹھہر جاؤ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے، وہ تو سہم(۳) گیا کہ بس اب میری خبر لی جائے گی، مگر اہل اللہ کے یہاں کسی کی خبر نہیں لی جاتی۔ ہاں خبر دی جاتی ہے چنانچہ جب سب لوگ چلے گئے تو آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ بھائی میرے اندر ایک عیب ہے جس کو میں تم پر ظاہر کرتا ہوں وہ یہ کہ میرا پاجامہ ڈھلک کر ٹخنوں سے نیچے پہنچ جاتا ہے اور اس کے متعلق حدیث میں سخت وعید آئی ہے اس کے بعد آپ نے سب وعیدیں بیان کردیں، پھر کھڑے ہوکر اور کہا حضرت آپ میں تو یہ عیب کیوں ہوتا یہ مرض تو مجھ نالائق میں ہے۔ میں آج سے توبہ کرتا ہوں ان شاء اللہ پھر ایسا نہ ہوگا۔ دیکھئے شاہ صاحب نے کس شفقت کے ساتھ نصیحت فرمائی جس کا فوراً اثر ہوا۔ واللہ شفقت کا

(۱) اس کی طرف توجہ نہیں کی (۲) کسی کو خصوصیت سے نہ کہا جائے (۳) ڈر گیا۔

اثر مخاطب پر ضرور ہوتا ہے ہاں کوئی بہت ہی بے حس ہو تو اور بات ہے۔ صاحبو ہم کو عوام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرنا چاہئے جیسا کہ اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے اور اگر کسی سے کنارہ کش اور علیحدگی ہی اختیار کی جائے تو اس میں بھی خیر خواہی کا قصد ہونا چاہئے۔ اور ظاہر میں تہذیب کے ساتھ تعلق قطع کرنا چاہئے خدا تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ﴾(۱)

حالانکہ کفار کا چھوڑنا اور ان سے تعلق قطع کرنا فرض ہے مگر اس کے لئے بھی شائستگی اور تہذیب کی تاکید ہے کہ ان سے خوبی کے ساتھ تعلق قطع کرو۔ افسوس ہم مسلمانوں سے بھی تہذیب و شائستگی نہیں برتتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی اور شفقت کا تعلق بہت ہی کم ہے۔ بلکہ ہم لوگ مسلمانوں کے ساتھ تکبر کرتے اور ان کو حقیر سمجھتے ہیں اور یہ تکبر بڑا ہی خاص مرض ہے جب تک یہ ہمارے اندر ہے اس وقت تک ہم سے حقوق علم ادا نہیں ہوسکتے اور یہ صرف علم حاصل کرنے سے نہیں نکل سکتا جیسا کہ کسی کو خارش کا نسخہ یاد ہو تو محض نسخہ یاد ہوجانے سے خارش دفع نہیں ہوسکتی(۲) بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ نسخہ کے اجزاء(۳) جمع کرو اور اس کا استعمال شروع کرو مضرات سے پرہیز کرو(۴) اور جب تک طبیب مشورہ دے اس وقت تک برابر نسخہ کا استعمال اور پرہیز جاری رکھو، جب تک طبیب نبض دیکھ کر یہ نہ کہہ دے کہ اب خارش کا مادہ زائل ہوگیا ہے اس وقت تک تدبیر کو نہ چھوڑا جائے۔ یہی صورت یہاں بھی ہے محض ازالہ کبر(۵) کی تدابیر احیاء العلوم وغیرہ سے یاد کرلینا کافی نہیں بلکہ ان کے استعمال کی ضرورت ہے اور استعمال بھی کسی طبیب نفس کے مشورہ سے ہونا چاہئے کیونکہ ہر تدبیر ہر ایک

(۱) ان سے خوبی کے ساتھ تعلق قطع کرو (۲) کھجلی ختم نہیں ہوتی (۳) نسخہ میں مذکور سب دوائیں خریدو اور استعمال کرو (۴) نقصان دہ چیزوں سے بچو (۵) تکبر دور کرنے کا طریقہ۔

کونافع نہیں ہوتی جیسا کہ ہر نسخہ ہر شخص کے موافق نہیں ہوتا۔

اصلاح نفس کی ضرورت

پس پہلے طبیب کو تجویز کرو، کیونکہ ہر علاج کرنے والا طبیب نہیں ہوتا بعضے عطائی حکیم بھی ہوتے ہیں نیز طبیب وہ ہے جو خود علیل نہ ہو(۱)۔ کیونکہ قاعدہ ہے۔ رای العلیل علیل ۔ بیمار کی رائے بھی علیل ہوتی ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر بیماری غالب نہ ہو اور کوئی مرض اس کو لازم نہ ہو۔ باقی اتفاقاً کبھی کوئی مرض تھوڑی دیر کے لئے لاحق ہوجانا طبیب ہونے کے منافی نہیں کیونکہ حقیقی صحت تو شاید ہی کسی کو حاصل ہو(انبیاء علیہم السلام کے سوا معصوم کوئی نہیں) مثلاً کسی متواضع (۲) سے کبھی کوئی بات تکبر کی نکل جاوے تو یہ مضر نہیں ہاں اس کے افعال واحوال میں زیادہ غلبہ تواضع (۳) کا ہونا چاہئے جو شخص ایسا ہو وہ طبیب ہے اس کو غنیمت سمجھو۔ اس کا انتظار نہ کرو کہ پیر جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہی ہو۔ کیونکہ اگر جنید کو دیکھتے تو ان میں بھی کوئی نہ کوئی نقص ضرور نکال دیتے پس اس علامت سے طبیب کو تلاش کر کے اپنے کو اس کے سپرد کردو اور وہ جو تصرف تمہارے اندر کرے اس پر راضی ہوکر عمل کرو کیونکہ اگر تمہارے اندر تکبر کا خناس ہوگا تو اس کا علاج تذلیل و تحقیر (۴) سے کرے گا ایسی تدبیریں بتلائیے گا جن سے نفس پامال ہوجائے۔

سلطان نظام الدین بلخی کا انداز تربیت

جیسا سلطان نظام الدین بلخی قدس سرہ نے شیخ ابوسعید گنگوہی کا علاج کیا تھا جب یہ شیخ کے پاس طلب طریق اور اصلاح نفس کے لئے حاضر ہوئے تو شیخ

(۱) بیمار نہ ہو (۲) منکسر المزاج شخص (۳) عاجزی (۴) اگر تمہارے اندر تکبیر کی بیماری ہوگی اس کا علاج عاجزی کے ذریعے کردیگا۔

نے دیکھا کہ ان میں صاحبزادگی کا اثر بہت کچھ ہے، آپ نے اس کا یہ علاج کیا کہ خانقاہ کا حمام جھونکنا(۱) ان کے سپرد کیا سال بھر تک بیچارے حمام جھونکتے رہے، ایک سال کے بعد شیخ نے بھنگن (۲) کو حکم دیا کہ آج ذرا تو ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جانا اور جو کچھ وہ کہیں مجھے مطلع کرنا بھنگن نے ایسا ہی کیا تو شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے تیز نگاہ سے اس کو گھورا اور فرمایا گنگوہ ہوتا تو تجھے مزہ چکھا دیتا بھنگن نے شیخ کو اطلاع دی کہ ابوسعید نے یوں کہا تھا، فرمایا اوہو! ابھی تک گنوگوہ کی پیرزادگی کا اثر باقی ہے تو ایک سال تک اور اسی کام پر رکھا سال بھر کے بعد بھنگن کو پھر وہی حکم دیا اور فرمایا اب کے تھوڑا سا کوڑا ابھی ان پر جھاڑ دینا اور جو کچھ کہیں اس کی خبر مجھے کرنا اس نے ایسا ہی کیا تو شیخ ابوسعید نے زبان سے کچھ نہیں کہا صرف غصہ سے ایک دفعہ گھوڑ کر دیکھا، بھنگن نے شیخ کو اطلاع دی فرمایا کچھ کچھ اصلاح ہو چکی ہے مگر پوری نہیں ہوئی، ابھی دماغ میں خناس موجود ہے ایک سال تک اور حمام جھنکوایا پھر بھنگن کو وہی حکم دیا اور فرمایا اس مرتبہ پورا ٹوکرا ان کے اوپر ڈال دینا اس نے ایسا ہی کیا تو شیخ ابوسعید رونے لگے کہ شاید میری وجہ سے تجھے ٹھوکر لگی ہے اگر کہیں چوٹ لگی ہے تو مجھ سے بدلہ لے لے یا معاف کر دے۔ غرض اس کی خوشامد کرنے لگے بھنگن نے شیخ کو اطلاع دی تو فرمایا الحمدللہ! نفس کی اصلاح ہوگئی۔ اس کے بعد پھر یہ خدمت چھڑا دی اور کچھ ذکر و شغل بتلایا اور مجلس میں حاضر ہونے کی اجازت دے دی مگر بات کرنے کی اجازت نہ تھی، تو یہ نفس ان طریقوں سے درست ہوتا ہے اور یہ ذلت اول اول مرید کو بہت ناگوار ہوتی ہے مگر اس کو ہمت کے ساتھ برداشت کرنا چاہئے جیسا کہ دوائے تلخ ناک اور منہ بند کر کے پیا کرتے ہیں۔

(۱) پانی گرم کرنے کے لئے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لایا کریں اور حمام میں پانی گرم کریں (۲) جمعدارنی۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی مرید کو تنبیہ

حضرت شبلی کا واقعہ ہے کہ ان کے ایک مرید نے شکایت کی کہ مجھے ذکر سے نفع نہیں ہوتا شیخ نے توجہ کی تو اس کا سبب تکبر معلوم ہوا۔ آپ نے اس کے علاج کے لئے فرمایا کہ تو ایک ٹوکرا اخروٹوں کا فلاں محلّہ میں (جہاں اس شخص کے معتقد بہت تھے) لیجا اور عام طور سے یہ اعلان کردے کہ جو کوئی میرے ایک دھول مارے گا(۱) اسے ایک اخروت ملے گا، یہ سن کر مرید نے کہا اللہ اکبر میں ایسا کروں؟ شیخ نے فرمایا کمبخت یہ اللہ کا نام وہ ہے کہ اگر کافر صد سالہ (۲) اس کو کہے تو مسلمان ہوکر جنتی ہوجائے مگر تو نے جس موقعہ پر یہ نام لیا ہے اس سے تو کافر ہوگیا کیونکہ اس وقت تو نے اللہ اکبر خدا کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے نہیں کہا بلکہ اپنی عظمت ظاہر کرنے کے لئے کہا ہے۔ جا اپنے ایمان کی تجدید کر۔ سو پہلے پہل یہ ذلت کے کام نفس کو بہت ناگوار ہوتے ہیں مگر بدوں ذلت (۳) کے کام بھی نہیں بنتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اور بندہ کے درمیان بھی خودی حائل ہے اگر یہ نکل جائے تو بس واصل (۴) ہے اور جب تک یہ باقی ہے اس وقت تک وصول نہیں ہوسکتا۔ عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

''عاشق و معشوق کے درمیان کوئی حائل نہیں تیری خودی خود حجاب ہورہی ہے حافظ خودی کو درمیان سے اٹھا''

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تھا عرض کیا یا رب دلنی علی اقرب الطریق الیك ۔ ''یعنی خداوند مجھے اپنے تک

(۱) ایک تھپڑ رسید کریگا (۲) سو سال کفر کرنے والا شخص (۳) بغیر ذلت اختیار کئے (۴) اپنی بڑائی نکل جائے تو خدا تک رسائی آسان ہے۔

پہنچنے کا نزدیک رستہ بتادیجئے''

جواب ارشاد ہوایا بایزید دع نفسک وتعال ''یعنی اپنے آپ کو چھوڑ دو اور آ جاؤ''

مولانا اسی کو فرماتے ہیں:

قرب از پستی ببالا رفتن ست قرب حق از قید ہستی رستن ست

''قرب اس کا نام نہیں کہ نیچے سے اوپر کو جاؤ بلکہ قرب یہ ہے کہ ہستی سے چھوٹ جاؤ''

''از قید ہستی رستن'' کے معنی یہ نہیں کہ سنکھیا کھا کر مر جاؤ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے اوپر نظر نہ کرو، اپنی ذات کے معاملہ میں مشغول نہ ہو۔ اپنے ارادہ واختیار کو فنا کر دو دعویٰ اور پندار کو مٹا دو، (۱) اپنے علوم پر نظر کرنا یہ بھی اشتغال بنفسہ ہے (۲) جس میں علماء کی جماعت زیادہ مبتلا ہے۔

حجاب انانیت

محققین کا قول ہے کہ حجاب علم، حجاب جہل سے اشد ہے (۳) یعنی معنی ہیں اس قول کے العلم ھو الحجاب الاکبر۔ ''علم وہ جو حجاب اکبر ہے''

سو اس میں ایک قید ہے جس کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا۔ حضرت کا ارشاد ہے۔ العلم بغیر اللّٰہ ھوالحجاب الاکبر۔ ''یعنی جس علم میں غیر اللہ کی طرف التفات واشتغال ہو وہ حجاب اکبر ہے''

اس سے علوم وہبیہ اور واردات قلبیہ (۴) خارج ہوگئے کہ وہ حجاب نہیں کیونکہ ان سے غیر کی طرف التفات نہیں ہوتا بلکہ ان سے عظمت حق کا انکشاف ہوتا ہے (۵)

(۱) اپنے آپ کو مٹا دو اپنے کمال پر نظر نہ ہو (۲) خود کو بڑا عالم سمجھنا بھی خود پسندی میں داخل ہے (۳) اپنے کو عالم سمجھنا اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لئے جہالت سے بڑی رکاوٹ ہے (۴) وہ علم جو اللہ کی طرف سے بندے کے دل پر وارد ہو وہ حجاب نہیں ہے (۵) اللہ کی بڑائی واضح ہوگی۔

اسی طرح اگر کسی کو علم ظاہرہ سے التفات الی الغیر نہ رہے(۱) وہ بھی حجابیت سے خارج ہوجائے گا۔ اور اگر کسی کو علوم وہبیہ واردات قلبیہ سے بھی عجب(۲) ہونے لگے اس کے لئے یہ بھی حجات ہوجائیں گے مگر ایسا کم ہوتا ہے بخلاف علوم ظاہرہ کے کہ ان میں اکثر لوگوں کے لئے غوائل نفس زیادہ متحمل ہیں۔ غرض ہم لوگ رات دن اپنے نفس میں مشغول ہیں بلکہ کسی دوسرے کے ساتھ بھی جو مشغول ہوتے ہیں وہ بھی اپنے ہی لئے کسی سے عشق بھی ہوتا ہے وہ بھی اپنے ہی واسطے ہوتا ہے اور اگر کسی کو علم کی ترقی کی فکر ہے وہ بھی اپنی ہی غرض کے لئے اگر وعظ ودرس کا مشغلہ ہے تو وہ بھی اس لئے کہ ہم واعظ یا مدرس مشہور ہوں گے چار آدمی ہماری تعظیم کریں گے یہ ہی ہے اصل حجاب اسی کے قطع کرنے کا خواب میں حق تعالیٰ نے حکم فرمایا۔ دع نفسک وتعال۔ ''اپنے نفس کو چھوڑ و اور چلے آؤ''

یہ انانیت بڑا حجاب ہے(۳) اور اس کا علاج بدوں ذلت نفس کے نہیں ہوسکتا۔

طریقہ علاج

کیونکہ اطباء کا اس پر اتفاق ہے۔ العلاج بالضد(۴) یعنی حرارت کا علاج برودت(۵) سے ہوتا ہے، برودت کا علاج حرارت(۶) سے شاید اس پر کوئی یہ کہے کہ میں اہل ہند کا قول لیتا ہوں۔ العلاج بالمثل۔

یعنی حرارت کا علاج حرارت سے اور برودت کا علاج برودت سے۔ اس لئے میں تکبر کا علاج تکبر ہی سے کرتا ہوں، تو میں کہوں گا کہ تم نے اطباء ہند کے

(۱) ظاہری علوم سے دوسرے کی طرف التفات نہ ہو وہ بھی حجاب نہیں (۲) بڑائی پیدا ہونے لگے (۳) یہ خودی سب سے بڑی رکاوٹ ہے (۴) علاج ضد سے کیا جاتا ہے (۵) گرمی کا سردی سے (۶) سردی کا گرمی سے۔

قول کا مطلب ہی نہیں سمجھا، ان کا یہ مطلب نہیں کہ مزاج کی حرارت کا علاج خود مزاج کی حرارت سے کیا جاتا ہے بلکہ حرارت مزاج کا علاج حرارت دوا سے ہوتا ہے، دونوں حرارتوں کا محل الگ الگ ہے پس تکبر کا علاج اگر تکبر سے ہوتو وہ اپنا تکبر نہیں بلکہ حضرت حق کی شان کبریائی کا استحضار ہونا چاہئے یہ ہے علاج الکبر بالکبر۔ (کبر کا علاج کبر سے)

علاج الاکبر بالکبر کی تمثیل

کیونکہ قاعدہ ہے کہ اپنے سے بڑے کے سامنے اپنی بڑائی جاتی رہتی ہے۔ جیسے ایک دہقان زادہ[1] اپنے باپ کے ساتھ جارہا تھا وہ سمجھتا تھا کہ میرا باپ گاؤں کا چودھری ہے اس سے اور بڑا کون ہوگا اتفاق سے راستہ میں کسی بادشاہ کا کیمپ پڑا ہوا تھا جس کو شیخ نقل کرتے ہیں۔

رئیس رہے باپسر در رہے گذشتہ بر قلب شاھنشھے

اس کو دیکھ کر دہقان کانپنے لگا، ساری چودھراہٹ دھری رہ گئی، دہقان زادہ حیران ہوگیا کہ یہ کون شخص ہے جس سے میرا باپ کانپنے لگا بعد میں پوچھا کہ ابا جان! کیا آپ سے بھی بڑا کوئی چودھری ہے جس سے آپ ڈر گئے، کہا بیٹا بادشاہ کے سامنے میں کیا چیز ہوں کچھ بھی نہیں۔

اسی پر شیخ تفریع فرماتے ہیں۔

تو اے غافل از حق چناں درد ہی کہ بر خویشتن منصبے می نہی

صاحبو! میں بقسم کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ کی عظمت دل میں آجائے تو کسی زبان سے اپنی نسبت ''مولانا'' صاحب وغیرہ تعظیمی الفاظ سننے سے شرم آنے لگے۔ جیسا کہ سررشتہ دار کو کلکٹر کے سامنے اپنی تعظیم ہونے سے شرم آتی ہے۔

(۱) دیہاتی کا بچہ۔

ایک بزرگ کا حال

ایک بزرگ ''صاحب حال'' کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ کسی نے ان کو پنکھا جھلنا چاہا تو نہایت سختی سے منع فرمایا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اجازت دیدی بعض لوگ تو اس کو جنون سمجھیں گے مگر واللہ! یہ جنون نہیں، اور اگر کوئی ان کو مجنون ہی کہے تو وہ اس کی پروانہیں کرتے اور یوں کہتے ہیں کہ

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم(۱)

اور جس کو یہ جنون نہ ہو وہ خود دیوانہ ہے۔

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد مرعسس رادید درخانہ نشد

''وہ دیوانہ، دیوانہ نہیں ہے جو کوتوالی کو دیکھ کر گھر چلا جائے''

کسی نے ان بزرگ سے دریافت کیا کہ حضرت اس کی کیا وجہ تھی کہ آپ نے اول تو پنکھا جھلنے سے منع فرمایا اور بعد میں اجازت دے دی فرمایا اس وقت مجھ سے عظمت حق کا غلبہ ہورہا تھا، اس وقت مجھے کسی کا پنکھا جھلنا سخت ناگوار ہوا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ میرے ساتھ مذاق کررہا ہے، جب وہ غلبہ کم ہوگیا تو میں نے اجازت دے دی۔ صاحبو! اس کا انکار نہ کرو، یہ سب باتیں پیش آتی ہیں، غرض ہمارے اندر تکبر اسی وقت تک ہے جب تک کہ خدا تعالیٰ کی عظمت دل میں نہیں آئی۔ اور اگر عظمت حق دل میں آجائے تو پھر یہ حال ہوگا۔

چو سلطان عزت علم برکشد جہاں سر بجیب عدم درکشد

''جب محبوب حقیقی کی تجلی قلب پر وارد ہوتی ہے تو سب چیزیں فنا ہوجاتی ہیں''

(۱) میں اگر غریب و نادار اور دیوانہ ہوں تو کوئی بات نہیں کیونکہ میں اپنے اسی ساقی اور پیمانے پر خوش ہوں

پھر یہ سارے دعوے نیست و نابود(۱) ہو جائیں گے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے جو اپنے مراتب ومناقب بیان فرمائے وہ محض حق تعالیٰ کے حکم سے بیان فرمائے۔ (جیسے اولیاء میں بھی ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے حق تعالیٰ کے حکم سے قدمی ھذہ علی رقبتہ کل اولیاء اللہ کہا ہے)(۲) پھر باوجود یکہ جو کچھ آپ نے فرمایا حق سے فرمایا۔

حضور ﷺ کا اپنے مراتب کو بیان کرنے کا انداز

مگر حضور کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان مراتب کو بیان فرماتے ہوئے شرماتے تھے۔ چنانچہ اسی لئے بار بار ولا فخر ولا فخر ''اور مجھے فخر نہیں اور مجھے فخر نہیں'' بھی فرماتے جاتے ہیں، آپ نے ہماری اصلاح ایمان کے لئے اپنے واقعی فضائل بیان فرما دیئے تا کہ مسلمان جوش محبت میں اپنی طرف سے مبالغہ کر کے ایسے فضائل نہ تراشیں جن سے دوسرے انبیاء کی تنقیص ہو جائے(۳) چنانچہ اس سے بچانے کے لئے آپ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ لاتفضلونی علی یونس بن متی۔(۴) ''مجھے حضرت یونس بن متی پر فضیلت نہ دو''

غرض حضور ﷺ نے ہماری اصلاح کے لئے اور وہ بھی حکم حق سے بہت شرماتے ہوئے اپنے کچھ فضائل بیان فرمائے ہیں اور یہ شرم وحیاء عظمت حق کی وجہ سے تھی کیونکہ عظمت حق کا علم تمام مخلوق سے زیادہ آپ ﷺ کو تھا چنانچہ فرماتے ہیں: (انا اعلمکم باللہ واخشاکم اللہ) ''مجھے تم سب سے زیادہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی علم ومعرفت حاصل ہے اور میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں''

(۱) سب دعوے ختم ہو جاتے ہیں (۲) میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے (۳) دوسرے انبیاء میں نقصان لازم آئے (۴) کتاب الشفاء للقاضی عیاض، ۱: ۲۶۵، اتحاف السادۃ، ۲: ۱۰۵۔

آپ کے کمال علم ومعرفت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ باوجود یکہ حق تعالیٰ کے محامد (۱) جیسے حضور نے بیان فرمائے ہیں ایسے کسی نے بیان نہیں کئے مگر اس پر بھی یہ آپ کی شان واضح دیکھئے کہ باوجود اتنے بے نظیر محامد بیان فرمانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا۔ اللھم لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك (۲) ''اے اللہ میں آپ کی ثناء کا حق ادا نہیں کرسکتا جیسا کہ آپ نے اپنی تعریف خود فرمائی ہے) اور اس کی وجہ یہی تھی یعنی انکشاف عظمت حق (۳) جس سے تواضع وعبدیت پیدا ہوتی ہے اس مضمون کے قریب حضرت مرزا مظہر جانجاناں کی حمد ونعت بھی ہے گویا اسی حدیث کا ترجمہ فرماتے ہیں۔

خدا در انتظار حمد ما نیست محمد ﷺ چشم برراہ ثنا نیست

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ہماری حمد وثنا کا انتظار نہیں اور حضرت محمد ﷺ ہماری مدح (تعریف) کے منتظر نہیں ہیں''

خدا مدح آفریں مصطفےٰ ﷺ بس محمد ﷺ حامد حمد خدا بس

مناجاتے اگر خواہی بیان کرد بہ بیتے ہم قناعت می تواں کرد

محمد از توے خواہم خدارا الٰہی از تو حب مصطفیٰ را

''حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو حق سبحانہ وتعالیٰ کی تعریف کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہ کافی ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنے والے ہیں۔ اگر تو مناجات بیان کرنا چاہے تو اس بیت پر قناعت کر حضرت محمد ﷺ سے ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ واصل کردیں اور اللہ تعالیٰ سے یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی محبت عطاء فرمائیں''۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی تعریف جیسی حضور ﷺ نے کی ہے (۲) (اتحاف السادۃ المتقین للزبیدی، ۲:۱۱) (۳) آپ پر اللہ پاک کی عظمت وبڑائی کا واضح ہوجانا۔

اے اللہ! حضور ﷺ تو باوجود اتنے کمالات کے تواضع اختیار کریں اور ہم ذرا سے علم پر نازاں ہوں یاد رکھو یہ ناز کرنا ہی اس کی دلیل ہے کہ تم کمال سے عاری ہو ورنہ اہل کمال ناز نہیں کیا کرتے کیونکہ ان کو کمال کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے جس سے اپنے کو عاجز پاکر وہ کبھی ناز نہیں کرسکتے۔

مولانا اسماعیل شہید کی تواضع

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپ نے وعظ کیا تو بعد وعظ کے کسی نے تعریف کی، فرمایا میں کیا چیز ہوں اس نے کہا یہ آپ تواضعاً فرماتے ہیں آپ نے فرمایا یہ تواضع کا کلمہ نہیں تکبر کا کلمہ ہے، یہ کلمہ وہی کہہ سکتا ہے، جس کو کمال کی پوری حقیقت معلوم ہو وہ اس پر نظر کرکے کہتا ہے میں کچھ نہیں، غرض جس کو کمال کی حقیقت معلوم ہوگی وہ کبھی کمال کا دعویٰ نہ کرے گا۔ مگر آج کل ہم لوگوں نے محض چند الفاظ یاد کرلینے کو کمال سمجھ لیا ہے۔ ہم ناز کرتے ہیں کہ ہم کو عربی لکھنا اور بولنا آتی ہے مگر اس سے کیا ہوتا ہے، صاحبو! اگر ایک شخص جاہل ہو مگر خدا سے اس کو تعلق ہو اور ایک شخص عربی دان ہو مگر خدا سے علاقہ نہ ہو تو بتلایئے ان دونوں میں کون افضل ہوگا یقیناً وہ جاہل افضل ہے جس کو خدا تعالیٰ سے علاقہ ہو اور محض عربی دانی کس کام کی جس میں خدا سے بے تعلق ہو۔

طلباء کو نصیحت

اسی لئے میں طلبہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ زیادہ توجہ فقہ و حدیث و تفسیر پر کریں کہ یہی علوم مقصودہ ہیں، انہی سے خدا تعالیٰ اور رسول ﷺ کی عظمت کا علم ہوتا ہے اور معقول (۱) وادب میں بقدر ضرورت توجہ کریں کیونکہ عربی دان ہونا (۲)

(۱) علوم عقلیہ منطق وغیرہ اور علم ادب (۲) عربی سے واقفیت۔

کچھ کمال نہیں خداداں (۱) ہونا چاہئے اگر عربی دانی کوئی چیز ہوتی تو ابوجہل حضرت بلالؓ سے افضل ہوتا کیونکہ وہ قریشی فصیح ہے اور حضرت بلالؓ حبشی ہیں جو ابوجہل کے برابر ہرگز فصیح و بلیغ نہ تھے مگر دیکھ لیجئے کہ عربی دانی اس کے کیا کام آئی کچھ بھی نہیں بلکہ وہ ابوجہل (۲) ہی رہا اور حضرت بلالؓ وہ ہیں جن کو حضور ﷺ نے جنت میں اپنے آگے آگے چلتا دیکھا تھا اسی کو ایک بزرگ کہتے ہیں۔

حسن زبصرہ بلالؓ از حبش صہیبؓ زروم زخاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

''حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بلالؓ کو حبش سے اور حضرت صہیب رومیؓ کو روم سے جذب فرمایا اور خاک مکہ مکرمہ سے ابوجہل پیدا ہو یہ کس قدر عجیب قدرت ہے''

یہاں سے معلوم ہوا کہ محض عربی دانی کوئی چیز نہیں اور نہ ایسا شخص عالم ہے بلکہ ابوجہل کی طرح جاہل ہے اصل علم وہ ہے جس کو حق تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں: ﴿كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ﴾ ''یعنی اللہ والے ہو جاؤ خدا تعالیٰ سے علاقہ پیدا کرو'' ﴿بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ﴾ ''یعنی تم کتاب پڑھاتے اور پڑھتے ہو اس میں ایک مقتضی کا ذکر ہے کہ تمہارا یہ فضل خود اس کو مقتضی ہے کہ تم کو اللہ والا بننا چاہئے'' اور كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ ''اللہ والے بن جاؤ'' کے بعد اس مقتضی کا بیان فرمانا ہم کو شرم دلانے کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے کہنے سے ''ربانی'' نہیں بنتے تو اپنے کئے ہی کی شرم کرو، اور اسی سے ربانی بن جاؤ، یہ طرز ایسا ہے جیسا کوئی شخص حریص لالچی ہو اور کسی وقت بیٹوں کا باپ بن جائے تو اس سے کہا کرتے ہیں کہ میاں تم اب باپ بن گئے ہو اب تو بچپن کی سی

(۱) خدا کو پہچاننا (۲) جاہل ہی رہا۔

حرص کو جانے دو غرض جب مخاطب میں کسی امر کا مقتضی موجود ہو اور پھر بھی وہ اس کو اختیار نہ کرے تو اس مقتضی کو بیان کر کے زیادہ عار دلایا کرتے ہیں، اسی طرح یہاں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ تمہاری درس و تدریس ہے خود مقتضی ہے ربانی(۱) بننے کی، پھر حیرت ہے اگر باوجود مقتضی کے تم ربانی نہ بنو، کہ اس وقت تمہارا ربانی نہ بننا اور عمل کا اہتمام نہ کرنا بڑا ظلم ہوگا اور میں نے مقتضی کے ساتھ اتم کی قید اس لئے بڑھائی تا کہ عوام اس سے خوش نہ ہوں کہ ہم سستے چھوٹے، ہمارے اندر عمل کا مقتضی ہی نہیں اس لئے ہم کو ''کونوا ربانین'' کے خطاب کے مخاطب نہیں سو وہ سن لیں کہ مقتضی ان کے پاس بھی ہے اور وہ خوش نہ ہوں۔ اس میں ان کی عید نہیں ہے بلکہ ان کے لئے بھی وعید ہے کیونکہ ایک مقتضی ان کے پاس بھی ہے اور وہ مقتضی کیا ہے' ایمان۔

ایجاب وقبول کی حقیقت

شاید اس پر کوئی یہ کہے کہ ایمان تو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ سے ہو جاتا ہے جس میں صرف توحید و رسالت کا اقرار ہے، نماز روزہ اور حج و زکوٰۃ کا کہاں اقرار ہے، سو آپ گھبرائیں نہیں میں ابھی ثابت کرتا ہوں کہ اس میں سب باتوں کا اقرار ہے جس کو میں ایک مثال سے واضح کرنا چاہتا ہوں جو نہایت لذیذ مثال ہے وہ یہ کہ نکاح آپ کے نزدیک کس چیز کا نام ہے' ظاہر ہے کہ ایجاب و قبول کا نام ہے اب بتلایئے اگر کوئی شخص نکاح کے بعد بیوی کے نان ونفقہ سے انکار کرے اور کہے کہ میں نے تو صرف بیوی کو قبول کیا تھا، یہ جھگڑے میں نے کب قبول کئے تھے، یہ میرے ذمہ نہیں ہیں تو آپ کیا فتویٰ دیں گے؟ ظاہر ہے ہر شخص اسے احمق بتائے گا اور کہے گا میاں کا بیوی کو قبول کرنا ہی سب جھگڑوں کو قبول کرنا تھا، یہ نکاح تو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا گالا ہے کہ دنیا بھر کی گالیاں اس میں آ گئی تھیں۔

(۱) اللہ والا بننے کی۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکاوت

ایک دفعہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کسی سرائے میں گئے۔ بھٹیاری سے کھانا پکوانا چاہتے تھے مگر وہاں جا کر دیکھا کہ بھٹیاری کسی دوسری عورت سے لڑ رہی ہے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ دیر تو صبر کیا کہ شاید لڑائی ختم ہو جائے مگر یہ سلسلہ ختم ہی نہ ہوا تو آخر بھٹیاری سے کہا کہ بی! تو میرے واسطے کھانا تیار کر دے وہ بولی جاؤ میاں مجھے لڑائی سے فرصت نہیں، آپ نے فرمایا کہ تو میرا کام کر دے میں تیرا کام کرلوں گا یعنی اس عورت سے لڑائی میں کرلوں گا وہ اس پر راضی ہوگئی اور دوسری عورت سے کہا کہ میں نے اس مسافر کو اپنا قائم مقام کیا اس سے لڑتی رہ میں بھی تھوڑی دیر میں آتی ہوں اس نے شیخ سعدی کو گالیاں دینا شروع کیں آپ بیٹھے سنتے رہے، جب وہ سب کچھ کہہ چکی تو آپ نے کہا دیکھو اب ہماری باری ہے اب ہم گالیاں دیں گے اور یہ شرط ہے کہ فریقین میں سے کوئی مکرر گالی نہ دے بلکہ جو گالی ہونئ ہو وہ اس پر راضی ہوگئی تو آپ بولے جتنی گالیاں اب تک ہو چکی ہیں اور جتنی آئندہ کو ہوسکتی ہیں میں نے سب کا ایک گالا بنا کر تیرے وہاں دے دیا اور یہ کہہ کر چپ ہو گئے اس نے کوئی گالی دی فرمایا کہ یہ تو اسی گالے کی ہے اس لئے مکرر ہوگئی پھر تو وہ جو کچھ کہتی آپ فرما دیتے یہ تو اسی گالے کی ہے کوئی نئی بات کہو۔ وہ جھک مار کر چپ ہوگئی تو ایسے ہی بیوی کا قبول کرنا سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا گالا ہے اس میں ساری ذمہ داریاں آ گئیں۔

اقرار کلمہ توحید کا مقتضی

جب آپ یہ نکاح کی مثال سمجھ گئے تو اب سنئے۔

لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں'' بھی ایجاب وقبول ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ورسول جو کچھ حکم دیں گے ہم سر آنکھوں سے قبول کریں گے تو اب جتنے اعمال کا شریعت نے حکم دیا ہے سب کی ذمہ داری آپ نے لے لی اس سے علماء غالبا ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا﴾ ''اے ایمان والو ایمان لاؤ'' کے معنی بھی سمجھ گئے ہوں گے اس میں بظاہر اشکال ہے کہ اہل ایمان کو امر بالایمان کیسا؟ اس کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک توجیہ اس کی یہ بھی عمدہ ہے جس کی طرف میں نے اس وقت اشارہ کیا ہے یعنی اول ''اٰمَنُوْا'' تو خطاب قولی ہے جو ایمان اجمالی سے حاصل ہوجاتا ہے، کیونکہ ایمان اجمالی سے آدمی جماعت مومنین میں داخل ہوجاتا ہے۔ پھر دوسری دفعہ اٰمَنُوْا فرما کر ان کو ایمان تفصیلی کا حکم ہے کہ جن احکام کو تو نے ایمان اجمالی میں قبول کیا ہے ان کی تفصیل معلوم کر کے عمل کا اہتمام کرو۔ غرض ایمان لانے کے وقت تفصیل احکام کی کچھ بھی خبر نہ ہو مگر ایمان لانے کے بعد سب احکام کو ماننا پڑے گا، جیسے کسی کا یہ مان لینا کہ میں بادشاہ کی رعایا بنتا ہوں بادشاہ کے تمام احکام ماننے کو مستلزم ہے(۱) تو ایمان لانا ہی ان سب کے ماننے کا عہد ہے پس مقتضی ''کونوا ربانیین'' پر عمل کرنے کا سب کے اندر موجود ہے اور مقتضی بھی تام(۲) اس لئے عوام یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم تو اہل علم و تدریس نہیں اس لئے ہم عمل سے چھوٹ گئے، ہرگز نہیں بلکہ ان پر دو جرم قائم ہیں ایک ترک علم کا ایک ترک عمل کا۔ پس غیر علماء کے پاس بھی کوئی عذر نہیں۔ ان کے پاس اگر مقتضی اتم نہیں تو مقتضی تام(۳) تو موجود ہے، اس تقریر سے یہ شبہ تو رفع ہوگیا اور معلوم ہوگیا کہ: ﴿بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ﴾ ''اس لئے کہ تم کتاب پڑھتے اور پڑھاتے ہو''

(۱) تمام احکام ماننے لازم ہیں (۲) مکمل (۳) مقتضی اکمل نہیں تو مقتضی کامل تو ہے۔

میں مقتضی مطلق کا ذکر نہیں۔ بلکہ مقتضی اتم کا بیان ہے اسی لئے میں نے اتم کی قید بڑھائی تھی ،اس بناء پر ان سے کہا جاتا ہے کہ تم کتاب پڑھاتے اور پڑھتے بھی ہو تو تمہارا ربانی نہ ہونا ظلم وغضب ہے۔

علماء کو مشورہ

یہاں ایک نکتہ پر بھی متنبہ کئے دیتا ہوں وہ یہ کہ اس جگہ تعلمون کو مقدم کیا گیا ہے اور تدرسون کو مؤخر، حالانکہ وقوع مقتضی عکس کو ہے(۱) کیونکہ ترتیب واقعی یہ ہے کہ اول درس یعنی قرأت کا (کما فی قوله تعالیٰ درسوا ما فیه) وقوع ہوتا ہے، پھر تعلیم یعنی اقراء کا (والتعلیم هذا لمعنی ظاهر) مگر خدا تعالیٰ کے کلام میں عجیب اسرار ہیں، یہاں تعلمون کو اس لئے مقدم کیا گیا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اس جگہ مقتضی کا بیان شرم دلانے کے لئے ہے اور واقعہ یہ ہے کہ دوسروں کو تعلیم ونصیحت کرنا عدم عمل (۲) کی حالت میں زیادہ باعث شرم ہوتا ہے، محض جان لینا اور پڑھ لینا اس قدر موجب شرم نہیں ہوتا کیونکہ تعلیم میں گویا قسم کا دعویٰ ہوتا ہے تو معلم و ناصح (۳) ہو کر خود عمل نہ کرنا بہت ہی شرم کی جگہ ہے۔ اگر ذرا بھی طبیعت سلیم ہو تو معلم وناصح ہو کر انسان سب سے پہلے خود اپنی تعلیم پر عمل کرتا ہے، یہاں سے ایک اور شبہ رفع ہو جائے گا جو نادر شبہ ہے (۴) جس کی طرف شاید کسی کا ذہن بھی نہ گیا ہوگا وہ یہ کہ بعض دفعہ مشائخ نااہلوں کو مجاز کر دیتے ہیں، اس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے نااہل کو خلافت دیدی، اس کے جوابات چند ہیں ایک تو یہ کہ ممکن ہے اجازت کے وقت اہل ہو پھر نااہل ہو گیا ہو اور ایسا ہونا مستبعد نہیں (۵) اسی لئے عقائد کی کتابوں میں مذکور ہوا ہے، ایک تو یہی کہ لسعید قد یشقی۔

(۱) اس کے برعکس کا تقاضا کرتا ہے (۲) جب خود عمل نہ کرتا ہو (۳) استاد اور نصیحت کرنے والا ہو کر خود عمل نہ کرنا زیادہ شرم کا باعث ہے (۴) نایاب شبہ (۵) ایسا ہونا ممکن ہے۔

تفسیر آیت

نیک آدمی کبھی شقی بھی ہوجاتا ہے اور یہ اہلسنت کے عقائد میں داخل ہے اور میرے نزدیک تفسیر ﴿وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ﴾(۱)''اور وہ لوگ جو سعید ہیں پس وہ جنت میں ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں اور آپ ﷺ کے رب کو نکالنا منظور ہوا تو دوسری بات ہے''۔ کی یہی اولیٰ ہے۔ بعض مفسرین نے الا ما شاء ربك کو خالدین کی طرف راجع کیا ہے۔ اسی طرح ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ﴾(۲) (پس وہ لوگ جو شقی ہیں تو وہ دوزخ میں ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین میں قائم ہیں، ہاں اگر آپ کے رب کو نکالنا منظور ہوا تو اور بات ہے) کو خالدین کی طرف راجع کیا ہے، پھر اس پر اشکال واقع ہوا ہے کہ کیا کسی وقت خلود، مشیت الٰہی سے منقطع ہوجائے گا، پھر اس کا جواب دیا گیا ہے، جس میں سب سے اچھا جواب وہ ہے جس کی طرف شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ ما شاء ربك ''جو آپ کا رب چاہے'' بڑھانے سے مقصود اس بات کا بتلانا ہے کہ یہ خلود جنت و نار مثل بقاء واجب کے لازم ذات نہیں بلکہ مشیت و قدرت الٰہیہ کے تحت میں داخل ہے، مگر میں کہتا ہوں کہ اس آیت میں لفظ ''ما'' اگر بمعنی ''من'' لیا جائے اور مطلب یہ ہو کہ جو لوگ سعید ہیں وہ سب جنت میں ہمیشہ رہیں گے مگر ان میں سے جن کو خدا تعالیٰ

(۱) سورۂ ھود: ۱۰۷ (۲) سورۂ ھود: ۱۰۶۔

چاہیں وہ مستثنیٰ ہیں تو اس آیت میں مسئلہ مشہورہ اَلَّذِیْنَ سُعِدُوْا اور اَلَّذِیْنَ شَقُوْا سے مراد وہ لوگ جو ہیں جو لوگوں کے نزدیک ظاہر میں سعید وشقی ہیں۔ تو اولاً ان کے لئے خلود جنت وخلود نار کو بیان فرما کر بعد میں ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا گیا جو ظاہر میں سعید تھے مگر مشیت حق میں شقی تھی یا ظاہر میں شقی تھے اور مشیت حق میں سعید تھے پس معنی یہ ہوں گے کہ اہل سعادت میں جو شقی ہوگئے یا اہل شقاوت میں سے جو سعید ہوگئے وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اس صورت میں استثنیٰ سے انقطاع خلود کا وہم نہ ہوگا یہ تو درمیان میں ایک علمی نکتہ بیان ہوگیا میں اس سے پہلے یہ کہہ رہا تھا کہ مشائخ جن لوگوں کو مجاز کرتے ہیں اور بعد میں ان میں سے کسی کی نااہلیت ثابت ہوئی ہے تو یہ امر موجب اعتراض نہیں، کیونکہ ممکن ہے اجازت کے وقت وہ اہل ہی ہوں اور بعد میں وہ شقی ہوگئے ہوں۔ اور یہ الواصل لا یرد ''واصل واپس نہیں لوٹتا'' باقی الواصل لایرد کا قاعدہ واقع کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ وکذلك الایمان اذا خالط بشاشة القلوب ''یہی ایمان ہے جب بشاشت قلوب میں پیوستہ ہوجائے'' کہ ایمان کی حلاوت جب قلب میں پیوستہ ہوجاتی ہے تو ارتداد ممکن نہیں، اس قول کو حضرات صحابہؓ نے بلانکیر نقل فرمایا ہے کسی نے ان پر کلام نہیں کیا پس تقریر صحابہؓ سے یہ مسئلہ ثابت ہوگیا دوسرا جواب اس اعتراض کا اور ہے، جو لطیف بات ہے اور اس مقام پر اسی کو ذکر کرنا مقصود ہے وہ یہ کہ مشائخ بعض دفعہ کسی نااہل میں حیاء وشرم کا مادہ دیکھ کر اسے اس امید پر مجاز کردیتے ہیں کہ جب وہ دوسروں کی تربیت کرے گا تو اس کی لاج اور شرم سے اپنی بھی اصلاح کرتا رہے گا یہاں تک کہ ایک دن کامل ہوجائے گا، پھر بعضے نااہل شیخ کی اس امید کو غلط کردیتے ہیں اور اپنی حرکات سے اپنی نااہلیت ظاہر

کر دیتے ہیں مگر ایسے کم نکلتے ہیں غالب حالت یہی ہے کہ جس میں حیاء وشرم کا مادہ ہوتا ہے وہ دوسروں کی تربیت کرتے ہوئے اپنی اصلاح بھی ضرور ہی کرتا ہے اسی لئے علماء سے بطور مشورہ کے میری گذارش ہے کہ جو لوگ فارغین عن الدرسیات باحیاء ہوں ان کو ابھی سے وعظ کہنے کی اجازت دے دی جائے اصلاح کامل کا انتظار نہ کریں۔ کیونکہ وعظ کہہ کر وہ بہت جلد اپنی اصلاح کر لے گا۔

دعویٰ اور دعوت کا فرق

اس میں ایک راز ہے وہ یہ کہ واعظ جس امر پر خود عامل نہیں ہوتا اس کے متعلق اگر وہ وعظ کہنے بیٹھتا ہے تو الفاظ میں شوکت وصولت نہیں ہوتی اندر سے دل بجھنے لگتا ہے۔ چنانچہ ایک مقدمہ یہ ہے ایک بزرگ کے پاس ایک بڑھیا اپنے بچہ کو لے گئی اور کہا حضرت یہ گڑ بہت کھاتا ہے ذرا آپ اس کو نصیحت کر دیجئے انہوں نے کہا کہ کل آنا کل سمجھادوں گا وہ اگلے دن بچہ کو لے کر آئی اور آپ نے نصیحت کر دی وہ اس سے رک گیا کسی خادم نے کہا حضرت یہ کونسا باریک مسئلہ تھا جس کے لئے آپ نے ایک دن کی مہلت مانگی تھی فرمایا بات یہ ہے کہ کل تک میں خود اس مرض میں مبتلا تھا اس وقت میری نصیحت کا اثر نہ ہوتا کیونکہ زبان ہی نہ اٹھتی اس لئے میں نے ایک دن کی مہلت مانگی تا کہ پہلے اپنی اصلاح کرلوں چنانچہ کل سے میں نے بھی گڑ کھانا چھوڑ دیا اور اس کا عزم کرلیا کہ آئندہ بھی نہ کھاؤں گا تو آج میرے بیان میں اثر تھا الفاظ میں زور تھا سو واقعی غیر کامل کے وعظ میں شوکت وصولت نہیں ہوتی پھر اگر اس میں حیا ہے تو اس کو انقباض کا احساس ہوگا یہ دوسرا مقدمہ ہوا پس وہ جلد اپنی اصلاح کرلے گا اس لئے باحیاء کو وعظ سے نہ روکنا چاہیے اس کے پیش نظر طبعاً ہر وقت لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ''تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل

نہیں کرتے'' اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھلاتے ہو'' کا مضمون ہوگا مگر ان دونوں آیتوں میں ایک بات قابل فہم علماء ہے وہ یہ کہ اکثر لوگ ان آیات سے غیر عامل کے وعظ کا عدم جواز سمجھتے ہیں یہ صحیح نہیں ہاں اتنی بات تو صحیح ہے کہ اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھلاتے ہو''

یہ آیت واعظ غیر عامل کے بارے میں ہے لیکن اس میں انکار صرف جزو اخیر پر ہے یعنی نسیان نفس پر، ہر چیز پر انکار نہیں پس آیت میں واعظ کے غیر کامل ہونے پر انکار ہے۔(۱)۔ غیر عامل کے واعظ ہونے پر انکار نہیں (۲) جس کا حاصل یہ ہے کہ واعظ کو مبتلائے معصیت ہونا (۳) حرام ہے اور مبتلائے معصیت کو وعظ کہنا حرام (۴) نہیں۔ ''خوب سمجھ لو'' اور دوسری آیت کو تو وعظ پر حمل کرنا ہی صحیح نہیں کیونکہ ''لم تقولون'' سے قول انشائی مراد نہیں بلکہ قول خبر ہی مراد ہے (۵) یعنی دعویٰ مراد ہے دعوت مراد نہیں کیونکہ جس معاملہ کے متعلق اس کا نزول ہوتا ہے اس میں لمبے چوڑے دعوے ہوئے تھے کہ اگر ہم کو احب الاعمال کا علم ہو جائے تو ایسا ایسا مجاہدہ کریں جب ایک واقعہ میں ترغیب ہوئی اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ ایسے دعوے کس لئے کرتے ہو جن کو پورا نہیں کر سکتے تو یہاں دراصل دعوی سے احکام اسلامیہ پر عمل کرنے کا حکم کیا جاتا ہے اور نواہی سے منع کیا جاتا ہے جس کا حاصل دعوت ہے یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اس لئے وعظ گوئی اس آیت میں داخل نہیں مگر چونکہ کبھی کلام انشائی بھی متضمن خبر ہو جاتا ہے جیسے منافقین کا۔

(۱) وعظ کہنے والے کو عمل نہ کرنے پر نکیر کی جارہی ہے (۲) یہ مطلب نہیں کہ جو عمل نہ کرتا ہو وہ وعظ و نصیحت بھی نہ کرے (۳) گناہ میں مبتلا ہونا (۴) جو گناہ میں مبتلا ہو اس کو وعظ کہنا حرام نہیں (۵) حکم نہیں دیا جارہا بلکہ خبر دی جارہی ہے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہوں۔

نشهد انك لرسول اللّٰه (۱)۔ کہنا واقع میں تو انشاء ہے کہ ہم آپ کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں مگر ضمناً اس میں یہ دعویٰ بھی ہے کہ ہم سچے اور مخلص مسلمان ہیں منافق نہیں ہیں اسی لئے حق تعالیٰ نے آگے فرمایا: وَ اللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ ''اور اللہ تعالیٰ خود گواہی دیتے ہیں کہ بے شک منافق جھوٹے ہیں''

جس میں ان کو اس کلام میں کاذب فرمایا گیا اور یہ مسلہ مسلمہ ہے کہ کلام انشائی کے قائل کو صادق کاذب (۲) کہہ نہیں سکتے تو یہاں ان کو کاذب کیسے کہا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ کلام انشائی ایک کلام خبری کو متضمن ہے (۳) اس متضمن کے اعتبار سے ان کو کاذب کہا گیا ہے اسی طرح ہر چند کہ وعظ کلام انشائی ہے یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر لیکن صورۃ اس میں ایک قسم کا دعویٰ بھی ہے کہ ہم خود بھی اس پر عامل ہیں اس دعویٰ ضمنی کے اعتبار سے باحیاء آدمی کو وعظ کہتے ہوئے طبعًا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ ''تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے'' پیش نظر رہے گا گو اصل میں یہ آیت وعظ کے متعلق نہیں مگر وہ تضمن خبر کی وجہ سے اپنے کو اس کا مصداق سمجھ کر شرماتا ہے اور جلد اصلاح کر لیتا ہے اس لئے بعض لوگوں کا طرز عمل دیکھا گیا ہے جس کام کی ان کو ہمت نہیں ہوتی اس کے بارے میں ایک دو دفعہ کہہ دیئے۔ جس سے شرما کر بہت جلد ہی خود ہی عامل ہو گئے۔

مشیت ایزدی

دوسری بات اس میں اور بھی ہے جو ابھی ذہن میں آئی ہے کہ وعظ سے ہمت عمل ہو جانے کا سبب ایک تو حیاء طبعی ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ دوسرا سبب یہ

(۱) ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں (۲) جملہ انشائیہ بولنے والے کو سچا یا جھوٹا نہیں کہہ سکتے (۳) جملہ انشائیہ جملہ خبریہ کو متضمن ہے اور جملہ خبریہ بولنے والے کو سچا یا جھوٹا کہہ سکتے ہیں۔

بھی ہے کہ وعظ کے ذریعہ سے جب اس نے اہل اسلام کی خدمت کی، ان کو احکام کی تبلیغ کی۔ جس میں اہل اللہ بھی ہوتے ہیں۔ تو یہ اہل اللہ اس سے خوش ہوکر دعاء دیتے ہیں۔ اس کی برکت سے حق تعالیٰ اس کی بھی اصلاح کردیتے ہیں۔ کیونکہ ہر مجلس وعظ میں کوئی نہ کوئی ایسا ہوتا ہے جو اللہ کے نزدیک مقبول ہوتا ہے واعظ اس گھمنڈ میں نہ رہے کہ علوم و معارف جو میں بیان کرتا ہوں یہ میرا کمال ہے۔ صاحبو! نہ معلوم یہ کس اللہ کے بندہ کی برکت سے بیان ہوتے ہیں۔

اہل اللہ کی توجہ کا اثر

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ کسی عالم کے وعظ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور واعظ کی طرف متوجہ تھے۔ ان کی توجہ کی برکت سے وہ عجیب عجیب علوم بیان کرتے رہے۔ درمیان وعظ میں عالم صاحب کو عجب پیدا ہوا۔ اور وہ اپنے علوم پر دل ہی دل میں فخر کرنے لگے تو بزرگ نے اپنی توجہ دوسری طرف متوجہ کردی۔ بس ان کی توجہ کا بند ہونا تھا کہ عالم صاحب کو مضامین کی آمد بند ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ علوم کسی دوسرے کی توجہ سے آرہے تھے۔ ہمارے حاجی صاحب کا ارشاد ہے کہ بعض سامعین مثل طفل (۱) کے ہوتے ہیں۔ جس طرح بچہ کی کوشش سے ماں کے پستان (۲) میں دودھ اترتا ہے اور اگر وہ دودھ پینا چھوڑ دے تو چند روز میں چھاتیاں اکڑ جاتی ہیں اور دودھ کی آمد بند ہوجاتی ہے، اسی طرح بعض سامعین کی طلب وکشش سے واعظ کے قلب میں علوم القا ہوتے ہیں (۳)۔ اگر یہ طلب نہ ہوتو شیخ صاحب کورے کے کورے رہ جائیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

تانہ گرید طفل کے جو شد لبن تانہ گرید ابر کے خندد چمن

(۱) بچے کی طرح ہوتے ہیں (۲) ماں کی چھاتیوں میں (۳) علوم وارد ہوتے ہیں۔

''جب تک بچہ نہ روئے ماں کے دودھ کو کیسے جوش آئے جب تک بادل نہ روئے باغ کیسے مسکرائے یعنی سرسبز وشاداب ہو''

خود میرا واقعہ ہے کہ ایک بار میں گڑھی خام میں گیا جو ہمارے قصبہ سے قریب ایک بستی ہے۔ وہاں لوگوں نے وعظ کی درخواست کی، میں نے وعظ کا وعدہ کیا، اور اس وقت قلب میں یہ وسوسہ ہوا کہ بحمداللہ! مجھے وعظ پر قدرت حاصل ہے۔ اس کے بعد جو وعظ کہنے بیٹھے تو خطبہ اور آیت پڑھ کر رہ گیا۔ مضمون ہی کچھ نہ آیا ہر چند زور لگایا مگر چل ہی نہ سکا۔ پھر خیال ہوا کہ میں نے اتنے وعظ کہے ہیں لاؤ ان ہی میں سے کسی کا اعادہ کردوں۔ مگر پہلے مواعظ کا مضمون بھی کچھ یاد نہ آیا۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ یہ میرے اس وسوسہ کا جواب ہے جو حق تعالیٰ نے دکھلایا، کہ تم خود بھی نہیں بیان کرسکتے بلکہ ہم ہی کہلوانا چاہتے ہیں، تو سب کچھ کہہ سکتے ہو، سچ ہے۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

''پس پردہ مجھے طوطے کی طرح بٹھادیا ہے مجھے جو استاذ ازل سے حکم ملا تھا وہی میں کہہ رہا ہوں''

عظمت خداوندی

اور اس روز اس آیت کی تفسیر منکشف ہوئی(۱) ﴿وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا﴾ حق تعالیٰ حضور ﷺ سے فرماتے ہیں: اگر ہم چاہیں تو جتنی وحی آپ کی طرف بھیجی ہے سب کو سلب کرلیں، پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کسی کو اپنا کارساز ومددگار نہ پائیں گے۔

اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کلام الٰہی ہے۔ کیونکہ اتنی شوکت

(۱) اس آیت کی تفسیر سمجھ میں آئی۔

وصولت سوائے کلام الٰہی کے کسی کلام میں نہیں ہوسکتی کہ ایسی معظم ہستی کو کس طرح بے دھڑک خطاب ہے۔ اب سوچئے کہ حضور ﷺ کے دل پر اس کو سن کر کیا کچھ گزری ہوگی۔ کیونکہ وہاں شرطیات کا وہ اثر نہ تھا جو ہم پر ہے، ہم تو قضایا شرطیہ کو یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ صدق شرطیہ کے لئے وقوع مقدم ضروری نہیں۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عظمت حق منکشف تھی۔ آپ جانتے تھے کہ حق تعالیٰ کے چاہنے ہی میں کیا دیر لگ سکتی ہے، کچھ بھی نہیں۔ اس لئے آپ تو نہ معلوم یہ سن کر کیا کچھ نہ سہم گئے ہوں گے۔ مگر آگے فوراً تسلی دی گئی کہ ہم کو اس پر قدرت ہے مگر اس کا وقوع نہ ہوگا۔ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَه كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا کیونکہ آپ پر خدا کا فضل بہت بڑا ہے۔ ایک جگہ اسی طرح اپنی عظمت وقدرت ظاہر کرنے کے لئے فرماتے ہیں ﴿فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ ''اگر اللہ تعالیٰ چاہیں آپ کے دل پر مہر لگادیں'' اللہ اللہ کتنا سخت کلمہ ہے، مگر آج کل لوگ اس فکر میں ہیں کہ نعوذ باللہ حضور ﷺ کو خدا بنادیں، میں کہتا ہوں کہ تم حضور ﷺ کی تنقیص (۱) کرتے ہو، کیونکہ ہم آپ کو عبداللہ کہتے ہیں اور عبد بھی کیا عبد کامل۔ صاحبو! نہ معلوم ﴿فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ سن کر حضور ﷺ کے دل پر کیا گزری ہوگی۔

سالکین کا حال

اسکو اہل نسبت خوب سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ ان پر یہ حالت خوب گزرتی ہے۔ ان کو رات دن ایسے چرکے لگتے رہتے ہیں جن سے ان کی اصلاح وتنبیہ مقصود ہوتی ہے۔ پھر جو ان پر گزرتی ہے اس کو وہی جانتے ہیں۔

بر دل سالک ہزاراں غم بود گر زباغ دل خلالے کم بود(۲)

(۱) حضور ﷺ کی ذات میں عیب لگاتے ہو (۲) سالک کے باغ دل میں سے ایک تنکا بھی کم ہوجائے تو اس پر ہزاروں غم بڑھ جائیں گے۔

''دل میں بھی ایک باغ ہے جس کے سامنے دنیا کے باغات کی کچھ بھی ہستی نہیں''

ستم است گر ہوست کشد کہ بہ سیروسرو چمن درآ
تو زغنچہ کم نہ دمیدۂ دردل کشا بہ چمن درآ(۱)

جس کو اس باغ کی خبر لگ گئی اسے اور کسی تماشے کی ضرورت نہیں وہ اسی کی سیر میں ہردم مست رہتا ہے۔

خلوت گزیدہ را بہ تماشا چہ حاجت است چوں کوئے دوست ہست بصحرا چہ حاجت است

''خلوت نشین کو تماشائی کی کیا حاجت ہے جب محبوب کے دربار میں ہیں تو جنگل کی کیا ضرورت ہے''

پھر اگر کبھی اس باغ میں خزاں کا اثر آنے لگے اور وہ پژمردہ(۲) ہونے لگے مثلاً وساوس وخطرات کا ہجوم ہوجائے تو سالک سے زیادہ پریشان بھی کوئی نہیں ہوتا۔ اس وقت بعضوں نے تو خودکشی کرلی ہے مگر یہ ان کے محقق نہ ہونے کی دلیل ہے۔ محقق ان باتوں سے زیادہ پریشان نہیں ہوتا، گو طبعی پریشانی ہوتی ہے مگر عقلی پریشانی نہیں ہوتی۔ محقق وساوس سے بھی اپنا کام نکال لیتا ہے اور ان کو بھی مطالعہ جمال محبوب کا مراۃ(۳) بنالیتا ہے حضرت حاجی صاحب کا ارشاد ہے کہ وساوس کو آئینہ مطالعہ حق اس طرح بنالینا چاہئے کہ یہ سوچیں کہ اللہ اکبر خدا تعالیٰ کی کیا قدرت ہے کہ میرے دل میں خیالات کا ایک دریا پیدا کردیا دفعتاً چار طرف سے آکر مجھے محیط(۴) ہوگئے۔ اس کے بعد شیطان کی تدبیر کمزور ہوجائے گی، کیونکہ

(۱) میں تو مست ہوں اگر باغ کی سیر کی خواہش ہوتی یہ تو دل کو کشادہ کروں اور اس کے غنچوں کی سیر کرلیتا ہوں کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں (۲) مرجھانے لگے (۳) محبوب کی خوبصورتی کے مشاہدے کے لئے بطور آئینہ استعمال کرتا ہے (۴) اچانک چاروں طرف سے آکر مجھے گھیر لیا۔

جب وہ دیکھے گا کہ یہ شخص تو وساوس سے پریشان نہیں ہوتا، بلکہ اس سے بھی قدرت حق کا مطالعہ کرتا ہے، تو وہ اپنا سامنہ لے کر رہ جائے گا۔ اور وساوس کا ڈالنا بند کردے گا۔ یہ ہیں وہ حضرات جو فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد (ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے بڑھ کر ہے) اور ان کی تعلیم پر عمل کر کے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کی یہ چالیں نہایت بودی ہیں اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا ''بے شک شیطان کا مکر کمزور ہے'' اس تصرف حق کے مشاہدہ کے بعد مولانا کے اس قول کی حقیقت معلوم ہوجائے گی۔

گر بعلم آئیم ما ایوان اوست در بجہل آئیم مازندان اوست
گر بخواب آئیم مستان اوئیم وربہ بیداریست بستان اوئیم

''اگر علم تک ہماری رسائی ہوجائے تو یہ ان کا ایوان ہے کہ تصرف حق سے علم کا درجہ حاصل ہوا اور جہل میں مبتلا ہیں تو ان کا زندان ہے کہ حق تعالیٰ کا تصرف ہے کہ جہل سے نہیں نکل سکتے اگر سورہے ہیں تو انہیں کے بے ہوش کئے ہوئے ہیں اگر جاگ اٹھیں تو انہیں کی گفتگو میں ہیں''

اور اگر کبھی ایسی حالت پیش آتی ہے کہ نہ وساوس کا ہجوم ہے نہ واردات کا ورود ہے بس ایک حیرت سی قلب پہ طاری ہوتی ہے۔ سالک پریشان ہوتا ہے کہ یہ حالت کیسی ہے۔ مولانا اس کی حقیقت کو بتلاتے ہیں کہ اس سے بھی نہ گھبراؤ۔

در تردد ہر کہ او آشفتہ است حق بگوش او معما گفتہ است

''جو شخص کسی تردد میں پریشان ہورہا ہے گویا حق تعالیٰ نے اس کے کان میں کوئی معمہ کہہ دیا ہے''

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خنداں است بعند لیب چہ فرمودہ کہ نالان است

''پھول کے کان میں کیا فرمادیا کہ خنداں ہے بلبل سے کیا ارشاد فرمایا کہ نالاں ہے''

ڈارون کا نظریہ

قرآن میں بھی حق تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاَنَّہٗ ھُوَ اَضْحَکَ وَاَبْکٰی ''بے شک وہی ہنساتا اور رلاتا ہے'' اس کی حقیقت سالکین ہی خوب سمجھتے ہیں کہ واقعی رلانا اور ہنسانا حق تعالیٰ ہی کا کام ہے، کبھی ''اضحک'' باب افعال سے ہے اور ابکی ''اصل میں ابکیٰ'' تھا۔ یا کو الف کرلیا گیا۔ اس پر مجھے ایک عرب کا مقولہ یاد آیا کہ اس کے سامنے کوئی صرفی کہہ رہا تھا کہ قال اصل میں قول تھا۔ واؤ کو فتح ماقبل کی وجہ سے الف کیا گیا۔ اس پر وہ عرب بولا۔ کس بادشاہ کے زمانے میں یہ قول تھا۔ ہم نے ہمیشہ قال ہی سنا ہے۔ قول کبھی نہیں سنا۔ اس کے نزدیک صرفیوں کا یہ کہنا کہ قال اصل میں قول تھا بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ ڈارون کا یہ کہنا کہ انسان پہلے بندر تھا پھر ترقی کرکے آدمی ہوگیا۔ مگر غضب ہے، کہ آجکل تو تعلیم یافتہ طبقہ خدا کی باتوں پر یقین نہیں کرتا اور بار بار نظیر کا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اس کی نظیر دکھلاؤ بدوں مشاہدہ کے ہم نہ مانیں گے اور ڈارون کے قول کو بدوں دیکھے ان لوگوں نے مان لیا۔ حالانکہ اس کا مشاہدہ یہ لوگ تو خاک کرتے خود ڈارون نے بھی نہیں کیا۔ اس نے بھی محض تخمین (۱) وگمان ہی سے یہ بات ہانک دی اور اس تخمین کی بالکل وہی مثال ہے، جیسے تین شخص ایک مینارہ پر گزرے جو بہت بلند تھا، تینوں کو حیرت ہوئی کہ اتنا اونچا مینارہ کس طرح بنایا ہوگا۔ ایک بولا کہ پہلے زمانہ کے آدمی بہت لمبے ہوتے ہوں گے۔ دوسرا بولا نہیں اس کو زمین پر رکھ کر بنایا گیا ہوگا۔ پھر سیدھا کردیا

(۱) صرف اندازے سے ہی یہ بات کہہ دی۔

گیا۔ تیسرا بولا نہیں یہ پہلے کنواں تھا پھر زمین کا تختہ ٹوٹ کر مینارہ ہوگیا۔
چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند ''جب حقیقت نہ دیکھی تو افسانہ کی راہ اختیار کی''

نظریہ ڈارون کی تحقیق

اسی طرح ڈارون کی یہ تخمین ہے مگر ہمارے بھائی ہیں کہ اس کو وحی سمجھے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک صاحب نے یہ بھی لکھ مارا کہ نعوذ باللہ آدم علیہ السلام سب سے پہلے آدمی ہیں جو بندر سے انسان ہوئے، گویا اپنے نزدیک اس نے تعلیم الاسلام کو ڈارون کے قول پر منطبق کرنا چاہا۔ مگر افسوس اس میں نبی کی شان میں تو جو گستاخی ہے وہ تو ہے ہی، اس کے علاوہ خود یہ ڈارون کے قول کے بھی خلاف ہے، اصولاً بھی فروعاً بھی۔ اصولاً تو اس طرح کہ ڈارون کو تو اس قول کی طرف اس امر نے مجبور کیا کہ وہ خدا تعالیٰ کو خالق نہیں مانتا۔ بلکہ طبیعت کو فاعل مانتا ہے اور طبیعت غیر ذی شعوری ہے(۱) اس کی تاثیر تدریجی ہے(۲)۔ اس لئے س کو طبعی قاعدہ سے یہ کہنا پڑے گا تمام عالم اصل میں جماد محض تھا(۳)۔ پھر مادہ جماد نے ترقی کی تو وہ نبات (۴) ہوگیا، پھر مادہ نبات نے ترقی کی وہ حیوان (۵) ہوگیا۔ اور اسی طرح حیوان ترقی کر کے انسان بن گیا۔ مگر وہ شخص مسلمان ہے جو خدا تعالیٰ کو خالق مانتا ہے اسے اس تدریج کے قائل ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو بے تکلف کہہ سکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے جب چاہا جس چیز سے چاہا انسان بنادیا ور جس چیز سے چاہے حیوان بنادیئے۔ حاصل یہ کہ جو اصل ڈارون کے لئے اس قول کی داعی ہوئی یعنی انکار صانع(۶)۔ تم اس اصل ہی میں اس کے مخالف ہو۔ پھر

(۱) طبیعت میں احساس وشعور نہیں (۲) اس کا اثر آہستہ آہستہ ہوتا ہے (۳) بے جان پتھر کی طرح (۴) پتھر سے پورے نکلے (۵) پھر جانور ہوگیا (۶) وجود الٰہی کا انکار۔

تمہارا یہ کہنا کہ سب سے پہلے بندر جو انسان بنا وہ نعوذ باللہ آدم علیہ السلام ہیں۔ شرعاً تو غلط ہے ہی۔ کیونکہ قرآن میں خلقت آدم کا واقعہ مفصل مذکور ہے۔ حدیث نبوی ﷺ میں اس کی تشریح موجود ہے۔ یہ بیہودہ گمان اس کے بالکل خلاف ہے مگر خیر سے یہ قول ڈارون کے بھی خلاف ہے اور فروعاً اس طرح کہ اس کا قول تو یہ ہے کہ جب بندر کی نوع کے رفتہ رفتہ ترقی کرتے کرتے ایک زمانہ میں اس نوع کے بہت سے افراد دفعتہً انسان بن گئے، وہ صرف کسی ایک بندر کو تمام انسانوں کا باپ نہیں کہتا جیسا کہ تم کہتے ہو۔

امثال عبرت

بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ اہل ظاہر قرآن کا بوجہ اہل حال نہ ہونے کے مشاہدہ نہیں کرسکتے، یہ تو صرف الفاظ کی خدمت کرتے ہیں، قرآن کا مشاہدہ صحیح طور پر عارفین ہی کرتے ہیں جو اس کے حقائق سے واقف ہیں اور یہ علوم ہی ان کی اصلی کرامات ہیں جن سے وہ شیطان کی چالوں کو اس طرح توڑ دیتے ہیں کہ تار عنکبوت (۱) سے زیادہ اسکی وقعت باقی نہیں رہتی۔ شیخ کامل کی کرامات اور لوگ تو دوسری باتوں میں دیکھتے ہیں اور طالب صادق خود اپنے اندر اس کی زندہ کرامات ہر وقت دیکھتا ہے۔ جب کہ وہ روز بروز اپنے کو ظلمت سے نور کی طرف چلتا ہوا دیکھتا ہے، اسی طرح عارفین ہستی حق کی دلیل خود اپنی ذات میں دیکھتے ہیں، کیونکہ ان کا حال یہ ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

''تسلیم و رضا کے خنجر لگے ہوؤں کو ہر آن غیب سے نئی زندگی ملتی ہے''

وہ کبھی بسط میں ہیں اور کبھی قبض میں (۲)، کبھی تجلی جمال کا غلبہ ہے، کبھی

(۱) مکڑی کے جال سے زیادہ اس کی حقیقت نہیں (۲) کبھی ان پر حالت فرحت طاری ہے کبھی حالت غم۔

تجلی جلال کا، یہی لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰہُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِكَ کا کیا اثر ہوگا، کیونکہ یہ حالات ان کے اوپر خود بھی گزرتے رہتے ہیں۔ اتنا فرق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو یہ خطابات حق تعالیٰ اپنی عظمت وربوبیت ظاہر کرنے کے لئے فرماتے ہیں اور اولیاء سے یہ معاملات ان کی اصلاح کے لئے کئے جاتے ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو یہ شرطیات قضایا شرطیہ ہی کے درجہ میں رہتے ہیں جن کے مقدم کا کبھی وقوع نہیں ہوتا(۱) اور دوسروں کے ساتھ کبھی ان شرطیات کے مقدم کا وقوع بھی ہوجاتا ہے۔(۲)

رحمت خداوندی

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک بار وہ کہیں جارہے تھے ایک مرید ساتھ تھا۔ راستہ میں ایک نصرانی لڑکا نظر پڑا، جونہایت حسین تھا۔ تو مرید نے اس کو دیکھ کر حضرت سے سوال کیا ایدخل اللّٰہ ھذہ الصورۃ فی النار۔ کیا خدا تعالیٰ ایسی ایسی صورتوں کو بھی جہنم میں ڈالیں گے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تونے اس کو گھورا ہے۔ ستری غب ذالك (۳) چنانچہ کچھ دنوں بعد قرآن بھول گئے۔ کچھ بھی یاد نہ رہا۔ اللہ اللہ! اس بیچارہ کا اس وقت کیا حال ہوا ہوگا۔ خدا تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اس نے جب اس گناہ سے توبہ کی ہوگی تو قرآن پھر عود کر آیا ہوگا۔ اس امت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے بہت سی رحمت کاملہ ہے۔

طوبٰی لنا معشر الاسلام ان لنا ۔۔۔ من العنایۃ رکنا غیر منھدم

’’اے اسلام کے ماننے والو ہمارے لئے کس قدر عظیم خوشخبری ہے کہ ہم حق سبحانہ وتعالیٰ کی عنایت کے ستون ہیں جبکہ دوسروں کو یہ سعادت حاصل نہیں‘‘

(۱) یعنی اگر ایسا ہوا تو یہ ہوجائے گا لیکن ایسا کبھی ہوتا نہیں (۲) لیکن دوسرے لوگوں کے ساتھ کبھی ایسا ہو بھی جاتا ہے (۳) عنقریب تو اس کا وبال دیکھے گا۔

فوری سزاء

بنی اسرائیل کا قصہ ہے کہ ان میں کسی ظالم نے ایک غریب کی مچھلی چھین لی تھی، غریب نے بددعا کی کہ اے اللہ! اس کو ظلم کا بدلہ ابھی دکھادے تو مچھلی نے فوراً اس ظالم کا ہاتھ منہ میں پکڑ لیا۔ حالانکہ مچھلی مردہ تھی، مگر خدا تعالیٰ کے سامنے ہر چیز زندہ ہے۔

آب و باد وخاک وآتش بندہ اند بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

''پانی، ہوا، مٹی اور آگ سب تیرے غلام ہیں میرے اور تیرے نزدیک مردہ ہیں مگر حق سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں''

خدا کی دستگیری

اس حیات جمادات پر مولانا کے کلام میں ایک ظالم یہودی بادشاہ کی حکایت یاد آگئی کہ اس نے مسلمانوں کو مرتد کرنا چاہا تھا اور آگ سے خندقیں بھر کر ایک بت وہاں رکھا تھا، مسلمانوں کو کہتا تھا کہ اس بت کو سجدہ کرو ورنہ آگ میں ڈال دیئے جاؤ گے، مسلمان سجدہ سے انکار کرتے اور آگ میں ڈال دیئے جاتے تھے۔ اسی اثناء میں ایک عورت مسلمان لائی گئی اس سے بھی سجدہ بت کا کہا گیا، اس نے انکار کیا تو ظالموں نے اس کے بچہ کو گود سے لیکر آگ میں ڈال دیا۔ اس وقت گھبراہٹ اور بچہ کی محبت میں ماں کی لغزش ہونے کو تھی کہ دفعۃً بچہ آگ سے چلایا، کہ اے ماں! تو بھی آجا کہ یہ آگ نہیں یہ گلزار ہے، یہ سن کر ماں خود بخود آگ میں کود پڑی اور اس نے مسلمانوں کو آواز دی کہ ڈرو نہیں اس آگ کا اندیشہ نہ کرو یہاں تو عجیب راحت ہے۔ اب کیا تھا مسلمان جوق در جوق آگ میں کودنے لگے،

اب یہ حال ہوا کہ کفار ان کو روکتے تھے اور مسلمان زور کر کے آگ میں گرنا چاہتے ہیں، یہ دیکھ کر یہودی بادشاہ نے آگ سے کہا۔ اے آگ تجھے کیا ہوا تو ان کو جلاتی کیوں نہیں تو اس نے جواب دیا

گفت آتش من ہمانم آتشم اندر آتا تو بہ بینی تابشم

آگ نے کہا میں تو وہی آگ ہوں جس کی خاصیت احراق ہے۔ اگر تجھے شبہ ہو تو ذرا تو میرے پاس آ اس وقت تجھے میری تابش معلوم ہوگی۔ باقی مسلمانوں کو جو میں نہیں جلاتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ

طبع من دیگر نہ گشت از عنصرم تیغ حقم ہم بدستوری برم

''کہ میری خاصیت اور طبیعت بدلی نہیں بلکہ میں حکم خداوندی کے تابع ہوں بدوں ان کے حکم کے میں کچھ نہیں کرسکتی۔ اس پر مولانا فرماتے ہیں۔

آب و بادوخاک و آتش بندہ اند بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

''پانی، ہوا، مٹی اور آگ سب تیرے غلام ہیں میرے اور تیرے نزدیک مردہ ہیں مگر حق سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں''

ظلم کا بدلہ

چنانچہ اس مردہ مچھلی نے ظالم کا ہاتھ منہ میں لے لیا، جو بڑی دقت سے کئی آدمیوں نے چھڑایا مگر اس گرفت کا زہر ایسا چڑھا کہ تمام اطباء علاج سے عاجز آگئے اور سب کی رائے یہ ہوئی کہ ہاتھ کاٹ ڈالا جائے ورنہ تمام بدن میں زہر پھیل جائے گا، چنانچہ ہاتھ کاٹ ڈالا گیا۔ اس وقت اس کو اپنے ظلم پر ندامت ہوئی اور سمجھا کہ یہ میرے ظلم کا نتیجہ تھا تو معافی چاہنے کے لئے اس غریب کا پاس گیا۔

سزا میں تعجیل وتاخیر وجوہ

اس طرح امید ہے کہ توبہ کے بعد حضرت جنید کے مرید کو بھی قرآن یاد ہوگیا ہوگا۔ اس قصہ کو سن کر کوئی حافظ صاحب خوش نہ ہوں کہ ہم رات دن شرارتیں کرتے رہتے ہیں اور کبھی قرآن نہیں بھولتے، کیونکہ وہ شخص سالک تھا، حق تعالیٰ نے اس کو جلدی سزا دے کر متنبہ فرمادیا تھا کہ غلطی کی اصلاح کرلے۔ اور دوسروں کے واسطے یہ قاعدہ ہے۔ وَاُمْلِیْ لَھُمْ ۔ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ حق تعالیٰ ڈھیل دیتے رہتے ہیں تاکہ دفعۃً پکڑلیں کسی کو اپنے حفظ یا علم پر ناز نہ کرنا چاہئے حق تعالیٰ اگر چاہیں تو ایک سیکنڈ میں سب چھین لیں پھر کورے رہ جاؤ چنانچہ ان عالم صاحب کو وعظ میں عجب و ناز پیدا ہوا تھا ان بزرگ نے فوراً اپنی توجہ ہٹالی ان کا توجہ ہٹانا تھا کہ سب علوم بند ہوگئے تو بعض دفعہ وعظ میں کوئی بزرگ ہوتے ہیں وعظ سن کر ان کا جی خوش ہوتا ہے حق تعالیٰ ان کی خوشی کی برکت سے واعظ کو بھی نواز لیتے ہیں اسی خیال سے بعض دفعہ غیر کامل کو مشائخ اجازت دے دیتے ہیں کہ شاید کسی طالب مخلص کی برکت سے اس کی بھی اصلاح ہوجائے کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی پیر نااہل ہے اور اس کا مرید کوئی مخلص ہے تو طالب صادق کو تو حق تعالیٰ اس کے صدق وخلوص کی برکت سے نواز ہی لیں گے جب وہ کامل ہوجائے گا تو پھر حق تعالیٰ پیر کو بھی کامل کردیں گے کیونکہ یہ اس کی تکمیل کا ذریعہ بنا تھا۔

پیر کو مرید کا نفع

ایک چور کی حکایت ہے کہ جوانی میں تو وہ مال کی چوری کیا کرتا تھا بڑھاپے میں جب اس کام کا نہ رہا اور اس نے دین کی رہزنی اختیار کی پیر بنکر لوگوں کو مونڈنے لگا اتفاق سے کوئی مخلص بھی اس کے پاس آپھنسا اس نے ذکر و

شغل پوچھا یہ بیچارہ کیا بتاوے اس نے اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے یہ خدمت اس کو بتلائی کہ ایک درخت آم کا خشک تھا اس کو کہا اس کو پانی دیتے رہو جب ہرا ہو پھلنے لگے پھر آگے اور کچھ بتاویں گے یوں سمجھا کہ اس کی نوبت ہی نہ آوے گی پیچھا چھوٹ جاوے گا اس نے پانی دینا شروع کیا یہاں تک کہ اس کو آم لگا جب وہ پختہ ہوا پیر کے پاس لایا اس کو تراش کر چورنے آدھا خود کھایا آدھا اس کو دیا پیٹ میں پہنچا تھا دونوں صاحب نسبت ہوگئے یہاں سے ایک اور بات بھی ثابت ہوگئی کہ کبھی پیر کو بھی مرید سے نفع ہوجاتا ہے اسی لئے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم تو بیعت اس نیت سے کرتے ہیں کہ حشر میں یا ہم اس کو جنت کی طرف کھینچ لیں گے یا یہ ہم کو کھینچ لے گا خوب کہا ہے

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف گر بکشم زہے طرب ور بکشد زہے شرف

''اگر قسمت میری یاوری کرے تو میں اس کا دامن پکڑلوں اگر وہ مجھے کھینچ لے تو زہے نصیب اور اگر میں اسے کھینچ لوں تو زہے نصیب''

یعنی چاہے وہ کھینچ لے یا ہم کھینچ لیں مدعا ہر صورت میں حاصل ہے غرض یہ نکتہ ہے غیر کامل کی اجازت میں کہ وہ باحیا ہوگا تو اس سے شرما کر جلد اپنی اصلاح کرلے گا۔

انبیاء کا طریق تعلیم

اس مقدمہ کے بعد واضح ہوگیا ہوگا کہ تعلیم بہ نسبت تعلم کے کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ ''اللہ والے بن جاؤ'' کو زیادہ مقتضی ہے اس لئے تُعَلِّمُوْنَ کو تَدْرُسُوْنَ پر مقدم کیا گیا نیز یہ بھی نقطہ ہوسکتا ہے کہ تعلم سے مقصود تعلیم ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴾(۱) ''پس ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ انکی ہر بڑی بڑی جماعت

(۱) سورۃ التوبۃ: ۱۲۲۔

میں سے ایک چھوٹی جھوٹی جماعت جہاد میں جایا کرے تاکہ باقی لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب اس کے پاس واپس آئیں ڈرائیں۔

اور مقصود گو حساً مؤخر مگر قصداً مقدم ہوتا ہے اس لئے تعلمون کو مقدم فرمایا کہ وہ غایت ہے تدرسون کی اس سے علماء بہت خوش ہوئے ہوں گے کہ اس غایت پر تو ہمارا پورا عمل ہے کہ پڑھنے کے بعد ہم پڑھانے میں مشغول ہیں حضرات آپ خوش نہ ہوں کیونکہ حق تعالیٰ نے یہاں: ﴿بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ﴾ ''اس لئے کہ تم کتاب پڑھاتے ہو اور پڑھتے ہو'' نہیں فرمایا بلکہ ''بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ فرمایا ہے کہ اور آپ درس کے بعد تدریس میں مشغول ہیں تعلیم میں مشغول نہیں ہیں تعلیم کی حقیقت وہ ہے جس کو دوسری آیت میں حق تعالیٰ نے نذر سے تعبیر کیا ہے۔ ﴿وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ﴾ ''تاکہ اپنی قوم کے پاس جب واپس آئیں ڈرائیں''

واعظ کا کام

اور وہ اصل میں واعظ کا کام ہے جو میں اس وقت آپ کے سامنے کر رہا ہوں جس سے آج کل علماء متنفر ہیں اور اس کے اصل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ دیکھ لیا جائے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا کیا طرز تھا، کیا وہ کتابیں پڑھایا کرتے تھے ہرگز نہیں ان کی تعلیم کا طریقہ یہی وعظ تھا اور اصل مقصود یہ ہی ہے مگر وعظ کہنے کے لئے ہم جیسوں کو ضبط علوم کی ضرورت۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم تو علوم وہبی تھی(۱)۔ ان کو نہ کتاب پڑھنے کی ضرورت تھی۔ نہ وہ اس کے محتاج تھے کہ کتاب سامنے رکھ کر دوسروں کو پڑھائیں کیونکہ وہ حقائق کو بدوں

(۱) اللہ کے عطا کردہ تھی۔

اصطلاحات کی مدد کے سمجھانے پر قادر تھے وہ معقول کو محسوس (۱) بنادیتے تھے اس لئے ان کو کتابیں پڑھنے اور پڑھانے کی ضرورت نہ تھی پھر بعد میں صحابہؓ بھی حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ تھے وہ بھی اس کے محتاج نہ تھے بعد میں جب حفظ میں کمی آئی علوم وہبیہ کی استعداد کم ہوگئی تو علوم کو کتابوں میں مدون کیا گیا اور اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کتابیں پڑھی اور پڑھائی جائیں مگر اس کی ضرورت اس بات کے واسطے ہوئی کہ کتابوں سے علم حاصل کر کے عوام کو صحیح علوم کی تبلیغ کریں غلط سلط باتیں نہ بنائیں۔

علماء کا قصور

اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ کتابیں پڑھانے ہی کو مقصود سمجھ لو اور تبلیغ ونذار (۲) کو چھوڑ کر بیٹھ جاؤ واقعی مسلمانوں کو اس بات نے بیحد تباہ کیا ہے کہ وعظ کہنے والے زیادہ تر جاہل ہیں اور علماء وعظ نہیں کہتے اگر علماء واعظ ہوتے تو مسلمانوں کی حالت تباہ وبرباد نہ ہوتی بعض علماء اس کے متعلق یہ عذر کرتے ہیں کہ ہم کو وعظ کہنا نہیں آتا میں کہتا ہوں کہ آپ کو عربی پڑھنا ہی کب آتا تھا یہ بھی تو محنت کرنے سے ہی آیا ہے اسی طرح وعظ کہنے کا ارادہ کیجئے اور کچھ دنوں میں محنت کیجئے یہ کام بھی آجائے گا جس کی سہل تدبیر یہ ہے کہ اول اول طلبہ کے سامنے مشکوٰۃ وغیرہ لے کر بیٹھ جاؤ اور کتاب دیکھ کر بیان کرو پھر کچھ دنوں میں بدوں کتاب کے بیان کرنا شروع کرو۔ اسی طرح ایک دن خوب بیان کرنے لگو گے حیرت کی بات ہے کہ جہلاء میں تو وعظ کی جرأت ہو اور علماء کو اس کی ہمت نہ ہو جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب جہلاء علماء کے سامنے بھی غلط باتیں بیان کرنے سے نہیں ڈرتے۔

(۱) عقلی کو حسّی بنادیتے (۲) تبلیغ اور عذاب آخرت سے ڈرانے کو چھوڑ بیٹھے۔

جاہل واعظین

چنانچہ مجھے ایک واقعہ یاد آیا کہ دیوبند میں ایک شخص نے میرے سامنے طلبہ کے مجمع میں ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾(۱) ''اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (نماز وخطبہ) کی طرف چل پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو'' کا ترجمہ یہ کیا کہ جب جمعہ کی اذان ہوا کرے تو گھروں اور دوکانوں کو تالے موند کر نماز میں آجایا کرو یہاں اس نے تعلمون کا ترجمہ کیا تھا کہ تالے موند کر آجایا کرو اس نے تعلمون کی عین کو تو الف سے بدلا اور لام کی فتح کو دراز کیا تالا ہو گیا آگے رہ گیا مون اس کو موند کا مخفف بنایا جس کے معنی ہیں ''بند کرنا'' اس طرح سے یہ معنی حاصل ہو گئے اسی طرح ایک جاہل نے اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ(۲) ''اے محمد ﷺ ہم نے آپ کو دی ہے مثل کوثر کے''

اس احمق نے ''اعطینک'' میں کاف تشبیہ بتلایا اور ضمیر مفعول کو فعل سے الگ کر دیا۔ ایسے ہی کانپور کے ایک جاہل نے مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ''وسوسے ڈالنے والے کے شر سے'' کی تفسیر یہ کی کہ وسواس تو شیطان کا نام ہے اور خناس اس کا بیٹا ہے پھر ایک حکایت گھڑی اور دیر تک بیان کرتا رہا، اس کا سارا الزام علماء پر ہے، جہلاء کو وعظ کی جرات اسی لئے ہوئی ہے کہ علماء نے یہ کام چھوڑ دیا ہے۔ اگر علماء یہ کام کرنے لگیں تو جہلاء کا حوصلہ پست ہو جائے۔ اور یہ بھی نہ ہو تو کم از کم عوام مسلمین ان کا بیان سننا چھوڑ دیں۔ کیونکہ ان کو محقق اور جاہل کے بیان میں زمین وآسمان کا فرق نظر آئے گا۔ پس علماء خوش نہ ہوں کہ ہم تو یُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ پر عامل ہیں۔

(۱) سورۃ الجمعۃ: ۹ (۲) سورۃ الکوثر: ۱۔

منطقی سوال کا جواب

صاحبو! عمل کہاں ہے؟ جب آپ نے طریق وعظ کو بالکل چھوڑ رکھا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ خواص کے ضمن میں عام بھی ہوا کرتا ہے اور تعلیم عام ہے اور تدریس خاص ہے تو تدریس کے ضمن میں تعلیم بھی پائی گئی یہ منطقی سوال ہے۔ مگر میں حقیقت واضح کر کے ابھی اس کا جواب دیئے دیتا ہوں۔ سنئے یہ جو قاعدہ ہے کہ خواص کے ضمن میں عام ہوا کرتا ہے، یا بعنوان دیگر خاص مستلزم ہے عام کو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خاص اس عام کو مستلزم ہوتا ہے جو اس خاص کا جزو ہو، باقی اس عام کے جو دوسرے افراد ہیں، جو اس خاص کے قسیم ہیں ان کو یہ خاص مستلزم نہیں رہتا۔ پس اسی طرح تدریس بھی اس تعلیم کو مستلزم ہے جو تدریس کے ضمن میں مستحق ہے، دوسرے افراد تعلیم کو مثلاً وعظ کو مستلزم نہیں تو وعظ کی ضرورت تو پھر بھی رہی۔ تدریس اس سے مستغنی نہ ہوئی، اور میں اوپر بتلا چکا ہوں کہ یہاں تعلیم سے زیادہ انداز وعظ مراد ہے۔ جس کی دلیل دوسری آیات میں اور انبیاء علیہم السلام کا طرز تعلیم بھی اور اگر آپ ہی کا قول مان لیا جائے کہ تعلیم عام ہے اور تدریس کے ضمن میں اس کا بھی تحقق ہو رہا ہے تو بہت سے بہت آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم تعلیم سے بالکل کورے نہیں مگر یہ تو نہیں کہہ سکتے۔ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ ''تم کتاب پڑھاتے ہو'' پر ہمارا عمل کامل ہے کیونکہ جب تعلیم عام ہے اور اس کے افراد چند ہیں اور سب مطلوب ہیں بلکہ تمہاری فرد معمول سے (۱) زیادہ تمہاری فرد متروک مقصود ہے اور آپ نے صرف ایک فرد کو لے رکھا تو کمال کہاں ہوا یقیناً آپ اس کو نقص تسلیم کریں گے تو خیر اپنے آپ کو ناقص ہی مان لیجئے، عاری عن التعلیم نہ (۲) مانئے پھر کیا نقص (۳) کا رفع کرنا ضروری نہیں یقیناً ضروری ہے غرض تعلیم عام ہے اپنے سب افراد کو جو سب مطلوب ہیں اب افراد کو سمجھئے۔

(۱) جن چیزوں پر تم عمل پیرا ہو ان کے مقابلے میں جو باتیں تم نے ترک کی ہوئی ہیں وہ زیادہ ہیں (۲) تعلیم سے بالکل ناواقف نہ سمجھئے (۳) کی۔

علماء کے کرنے کے کام

سو اس وقت اس کے چند افراد میرے ذہن میں ہیں ان کو عرض کرتا ہوں اور استقرار چار ہیں: وعظ، تدریس، امر بالمعروف بخطاب خاص، تصنیف۔ علماء کو ان چاروں شعبوں کو اختیار کرنا چاہئے اس طرح کہ طلباء کے سامنے تو مدرس بن کر بیٹھیں اور عوام کے سامنے واعظ ہوں اور خاص مواقع میں امر بالمعروف کریں اور خاص مواقع میں مراد یہ ہے کہ جہاں اپنا اثر ہو وہاں خطاب خاص سے نصیحت کریں کیونکہ ہر جگہ امر بالمعروف مفید نہیں ہوتا اور بعض دفعہ عام لوگوں کو امر بالمعروف کرنے کی وجہ سے مخالفت بڑھ جاتی ہے جس کا تحمل ہر ایک سے نہیں ہوتا اور اگر کسی سے تحمل ہو سکے تو سبحان اللہ! وہ امر بالمعروف کریں مگر یہ ضرور ہے کہ اپنی طرف سے سختی اور درشتی کا اظہار نہ کریں بلکہ نرمی اور شفقت سے امر بالمعروف (۱) کرے اس پر بھی مخالفت ہو تو تحمل کرے (۲) اور اگر تحمل کی طاقت نہ ہو تو خطاب خاص نہ کرے محض خطاب عام پر اکتفا کرے۔ میں نے ایک دوست کو یہی مشورہ دیا تھا کہ ہر شخص کو امر بالمعروف جب کرو جبکہ اس کے نتائج کا تحمل ہو ورنہ صرف ان لوگوں کو خطاب خاص کرو جن پر اپنا اثر ہے ان کو تقویٰ کا شوق ہوا ایک طرف سے سب کو نصیحت کرنے لگے پھر جب لوگ مخالف ہوئے تو میرے پاس شکایت لکھ دی میں نے جواب میں سرمد کی یہ رباعی لکھ دی۔

سرمد گلہ اختصاری می باید کرد یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید کرد یا قطع نظر زیار می باید کرد

سرمد رحمۃ اللہ علیہ شکایت کو مختصر کرو اور دو کاموں میں سے ایک کام کرو یا تو تن کو محبوب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وقف کر دو یا محبوب سے قطع تعلق کر دو''

امر بالمعروف کے مواقع

غرض امر بالمعروف وہیں کرے جہاں قدرت ہو اور یہ آجکل بالکل ہی

(۱) اچھائی کا حکم کرے (۲) برداشت کرے۔

متروک ہوگیا ہے باپ بیٹے کو، استاد شاگرد کو، پیر مرید کو، آقا نوکر کو، اور خاوند بیوی کو بھی تو امر بالمعروف نہیں کرتا حالانکہ یہ ایسے رشتے ہیں جن میں انسان کا پورا اثر ہوتا ہے تو یہ بہت بڑی کوتاہی ہے جس کا ہم سے سوال ہوگا۔

علماء کی مختلف خدمات

تین کام تو یہ ہیں چوتھا کام تصنیف کا ہے۔ علماء کو ضرورت کے موقع پر تصنیف بھی کرنا چاہئے اس کے یہ معنی نہیں کہ سب کے سب مصنف اور واعظ ہوجائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بقدر ضرورت علماء میں کچھ لوگ مصنف اور واعظ بھی ہونے چاہئیں کیونکہ یہ امور فروض کفایہ ہیں ہر کام کرنے والے ضرورت کے مطابق کافی مقدار میں ہونے چاہئیں۔ علامہ بیہقی نے حدیث (لایزال طائفتہ من امتی علی الحق منصوری)(۱) ''ہمیشہ میری امت میں سے ایک جماعت حق کی نصرت کرتی رہے گی'' کی شرح میں لکھا ہے کہ اس سے کوئی خاص جماعت مراد نہیں بلکہ دین کی خدمتیں بہت سی ہیں ہر شخص ان میں سے جو خدمت بجالا رہا ہے وہ اس میں داخل ہے خواہ واعظ ہو یا مصنف، فقیہ ہو یا محدث (جامع)

اگر ایک قصبہ میں مثلاً بقدر ضرورت واعظ موجود ہوں۔ تو دوسرے علماء پر وعظ کہنا واجب نہیں ان کو درس وتدریس میں مشغول رہنا جائز ہے اور اگر واعظ کوئی نہ ہو تو مولوی صاحب کو اجازت نہیں کہ وہ صرف مدرس ہی بن کر رہیں بلکہ ضرورت کے موقعہ پر ان کو وعظ بھی کہنا چاہئے۔

وعظ کی اہمیت

وعظ میں خاص اثر ہے جس سے عوام کی اصلاح زیادہ ہوتی ہے نیز عوام کو اس سے وحشت بھی نہیں ہوتی بلکہ دلچسپی ہوتی ہے اور اس کا جلدی اثر ہوتا ہے

(۱) سنن ابن ماجہ: ۱۰، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۹۔۲۲۶۔

تصنیف میں بھی وعظ کے برابر اثر نہیں ہوتا بعض لوگوں کو علماء پر یہ بھی اعتراض ہے کہ ان کی تصانیف دشوار ہوتی ہیں (۱) یہ اعتراض تو محض لغو (۲) ہے کیونکہ احکام جو کہ مقصود ہیں ان کے متعلق تو تصانیف علماء کی سہل (۳) ہی ہوتی ہیں بلکہ ایسی سہل ہوتی ہیں کہ بچے اور عورتیں بھی سمجھ لیتے ہیں باقی رہے دلائل اور علوم دقیقہ (۴) سو وہ مقصود ہی نہیں اور اگر باوجود غیر مقصود ہونے کے کسی کو مرغوب (۵) ہوں اور اس لئے ان کی تسہیل کا مشورہ دیا جاوے سو وہ کسی عبارت سے سہل نہیں ہو سکتے بلکہ وہ اصل میں درس وتدریس سے، اور بعضے مضامین صحبت علماء میں رہنے سے، اور بعضے ان سے دریافت کرنے سے، حل ہو سکتے ہیں تو اعتراض تو محض فضول ہے۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ تصنیف کا نفع بھی عام نہیں اور درس کا نفع تو بہت ہی خاص ہے کہ ایک خاص جماعت تک محدود ہے سب سے زیادہ عام نفع وعظ کا ہے کہ ایک گھنٹہ میں پانچ چھ ہزار کو نفع ہو جاتا ہے تو وعظ کا نفع اتم واعم واسہل (۶) ہے اس لئے اس کو ضرور اختیار کرنا چاہیے دوسرے وعظ کو اس لئے بھی اختیار کرنا چاہئے کہ جس چیز کو آپ آجکل مقصود سمجھے ہوئے ہیں یعنی درس وتدریس خود اس کے لئے بھی یہ بہت معین (۷) ومفید ہے۔

مدارسِ توکل

اس کی تفصیل یہ ہے کہ علماء کو آجکل مدراس کی طرف بہت توجہ ہے اور ہونا بھی چاہئے کیونکہ علوم اسلامیہ کے بقاء کی صورت یہ ہی ہے اور اس کے لئے وہ چندے وغیرہ کرتے ہیں اور امراء پر نظر کرتے ہیں اور یہ سمجھ رکھا ہے کہ بدوں (۸) امراء سے ملے مدارس نہیں چل سکتے، خیر یہ تو اپنا اپنا خیال ہے مجھے تو یقین کامل ہے کہ اگر علماء امراء سے بالکل نہ ملیں جب بھی کسی بات میں کمی نہ آئے گی کیونکہ جس خدا نے ابتداء میں اسلام میں بدوں امراء کی امداد کے محض چند غریبوں کے ہاتھوں اپنے

(۱) مشکل (۲) بیکار (۳) آسان (۴) تحقیقی علوم (۵) پسند (۶) وعظ کا نفع کامل، عام اور آسان ہے (۷) مددگار (۸) بغیر۔

دین کو پھیلایا تھا وہ خدا اب بھی موجود ہے اور وہ اب بھی اپنے دین کا محافظ ہے۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشان ست خم خمخانہ بامہر ونشان ست

''اب بھی وہ ابر رحمت درفشاں ہے خم اور خمخانہ مہر ونشاں کے ساتھ موجود ہے''

اور بحمداللہ اب بھی بعضے مدارس ایسے موجود ہیں جو محض توکل پر چل رہے ہیں جن میں کسی سے سوال نہیں کیا جاتا۔

مدارس کے لئے چندہ

مگر خیر اگر کسی کو توکل کی ہمت نہ ہو تو میں ان کو چندہ کرنے سے منع نہیں کرتا شرعا اس کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ چند امور کا لحاظ رکھا جائے۔ ایک یہ کہ کسی پر دباؤ نہ ہو دوسرے یہ کہ اس طرح سوال نہ کیا جائے جس سے دین کی تحقیر ہو۔ اس کے بعد نفس چندہ میں کوئی قباحت نہیں عام طور پر قومی کام اسی طرح چلا کرتے ہیں آجکل تو تعلیم یافتہ طبقہ علماء پر یہ اعتراض بھی کرتا ہے کہ یہ لوگ چندہ کرتے پھرتے ہیں ان لوگوں کو اس اعتراض کا کیا منہ ہے کیونکہ یہ خود اس میں مبتلا ہیں یہ بھی خوب چندے کرتے ہیں بلکہ علماء سے زیادہ کرتے ہیں علماء کے تو بہت سے وعظ چندہ کے ذکر سے خلای بھی ہوتے ہیں اور ان کا تو کوئی لیکچر بھی اس سے خالی نہیں ہوتا اس کے متعلق سید اکبر حسین صاحب کا شعر خوب ہے۔

در پس ہر لیکچر آخر چندہ ایست مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

''ہر لیکچر کے آخر میں چندہ ہے مرد آخر کو دیکھ کر بندہ ہے''

ہر مدرسہ میں ایک واعظ کا اہتمام

میں نے آخر کو بضم خا بنا دیا ہے(۱) جو کہ مقصود ہے چندہ سے غرض مدارس کا زیادہ تر مدار چندہ پر ہے اور چندہ دینے والے زیادہ تر عوام ہیں تو علماء کو

(۱) خاء کے پیش کے ساتھ۔

چاہئے کہ عوام کو اپنی طرف مائل رکھیں اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ہر مدرسہ میں ایک واعظ محض وعظ وتبلیغ کے لئے رکھا جائے جس کا کام صرف یہ ہو کہ احکام کی تبلیغ کرے اس کو ہدایا لینے سے قطعاً منع کر دیا جائے۔ اور استحسانا یہ بھی کہہ دیا جائے کہ مدرسہ کے لئے بھی چندہ نہ کرے بلکہ اگر کوئی خود بھی دے تو قبول نہ کرے بلکہ مدرسہ کا پتہ بتلا دے کہ اگر تم کو بھیجنا ہو تو اس پتہ پر بھیج دو۔ واعظ کو محصل چندہ نہ ہونا چاہئے محصل چندہ اور لوگ ہوں واعظ کا کام صرف وعظ کہنا ہو۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ اس کے وعظ میں جب چندہ کا ذکر نہیں ہوگا تو بے غرض وعظ ہوگا اس کا مخاطب پر بڑا اثر ہوتا ہے پھر عوام کو مدرسہ سے تعلق ہوگا کہ اس مدرسہ سے ہم کو دین کا نفع پہنچ رہا ہے اس کی امداد کرنا چاہئے اور اب تو عوام کو یہ بڑا اعتراض ہے۔ کہ صاحب ہم کو مدرسہ سے کیا نفع بس عربی پڑھنے والوں ہی کو کچھ نفع ہوگا اور واقعی ایک حد تک یہ اعتراض بھی صحیح ہے اس لئے جن عوام سے آپ چندہ لینا چاہتے ہیں ان کو بھی تو کچھ نفع پہنچانا چاہئے جس کی صورت میں نے بتلادی کہ ہر مدرسہ میں ایک واعظ محض وعظ کے لئے ہونا چاہئے اگر ہر مدرسہ میں ایک ایک واعظ ہو جائے تو پھر دیکھئے عوام کو مدرسہ سے کیسا تعلق ہوتا ہے اور چندہ کی بھی کیسی کثرت ہوتی ہے یہ چلتے ہوئے نسخے میں اگر شبہ ہوتا تو تجربہ کر کے اس کے نفع کا مشاہدہ کر لیجئے میں اہل مدارس سے کہتا ہوں کہ امتحان کے طور پر کچھ عرصہ کے لئے اس پر عمل کر کے دیکھ لو اگر تمہارے مدرسہ کو اس سے نفع نہ ہو تو اس کام کو بند کر دینا ہر وقت اختیار میں ہے ایک کام تو کرو۔

اہل مدارس کی ذمہ داری

اور دوسرے اس کی کوشش کرو کہ تمہارے مدرسے اہل دنیا کی نظر میں باوقعت ہو جائیں جس سے قلوب میں طلباء کی وقعت ہوگی تو اہل دنیا اپنی اولاد کو عالم بنائیں گے کیونکہ وہ عزت کے بڑے بندے ہیں جن کے کام میں عز وجاہ دیکھتے ہیں اس کی طرف جلدی مائل ہوتے ہیں ''میر باقر داماد'' کا قصہ ہے کہ ان

سے بادشاہ نے اپنی بیٹی بیاہ دی تھی بس علم کی یہ عزت دیکھ کر امراء نے اپنی اولاد کو تحصیل علم میں مشغول کر دیا تھا اور علماء کی عزت استغناء (۱) سے ہوتی ہے عباوقبا سے نہیں ہوتی پس اول تو یہ چاہئے کہ علماء چندہ کا کام ہی نہ کریں اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو کم از کم چندہ میں استغناء ہی کا طریقہ اختیار کریں۔ کسی کی خوشامد اور للوپتو (۲) نہ کیا کریں نیز آجکل طلباء کو کھانا لانے کے لئے امراء کے گھروں پر بھیجنا مناسب نہیں اس سے طلباء عوام کی نظروں میں حقیر ہوتے ہیں۔ اور طلباء کی حقارت سے علم دین عوام کی نظروں میں حقیر ہو جاتا ہے۔ یہ تقریر وعظ کی ضرورت پر چلی تھی اور میں نے واعظ کو محصل چندہ (۳) بننے سے انکار کیا تھا اس پر اتنا طول ہو گیا مگر کچھ حرج نہیں اس میں بھی بہت سی مفید باتیں بیان ہو گئیں بہرحال تعلیم کے چار شعبے ہیں ان سب کا حق ادا کیجئے اس وقت یہ کہنا صحیح ہو گا کہ تعلم سے جو مقصود تھا وہ آپ نے پورا کر دیا پس تعلمون کے مقدم کرنے کی یہ بھی وجہ ہے کہ تعلیم مقصود ہے اور تعلم ذریعہ مقصود ہے اور مقصود ذہناً مقدم ہوتا ہے اس لئے لفظاً بھی مقدم کیا گیا۔

ربانی بننے کی شرائط

اب آیت کا مطلب سمجھئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چونکہ تم پڑھاتے ہو اور پڑھتے ہو اس لئے ربانی (اللہ والے) بن جاؤ اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم و تعلم پر کام ختم نہیں ہو گیا بلکہ ابھی ایک اور کام باقی ہے۔ وہ کیا؟ ربانی ہونا اللہ والا بننا کیونکہ بدوں اس کے تعلیم و تعلم کا کچھ نتیجہ حاصل نہیں ہوتا۔ سب سے مقصود یہی ہے کہ آدمی خدا کا ہو جاوے مگر آجکل اہل علم نے صرف تعلیم و تعلم ہی کو مقصود سمجھ لیا ہے۔ عمل کا اہتمام نہیں کرتے محض الفاظ پر اکتفا کرتے ہیں ان کو قلب تک نہیں پہنچاتے اسی کو ایک حکیم کہتے ہیں۔

(۱) بے نیازی (۲) چاپلوسی (۳) چندہ وصولی کرنے والا۔

ایہا القوم الذی فی المدرسہ کل ماحصلتموہ وسوسہ
علم نبود غیر علم عاشقی ما بقی تلبیس ابلیس شقی
علم رسمی سربسر قیل است وقال نے ازو کیفیتے حاصل نہ حال
علم چہ بود آنکہ راہ بنمایدت زنگ گمراہی زدل بزدایدت
ایں ہوسہا از سرت بیروں کند خوف وخشیت وزدلت افزوں کند
تو ندانی جز بجوز ولا بجوز خود ندانی تو کہ حوری یا عجوز
علم چوں بردل زنی یارے شود علم چوں برتن زنی مارے شود

''اے وہ قوم جو کچھ تم نے مدرسے میں حاصل کیا ہے وہ صرف وسوسہ ہے۔علم عاشقی کے علاوہ جوعلم ہے وہ ابلیس شقی کی تلبیس ہے علم رسمی محض قیل وقال ہے نہ اس سے کوئی کیفیت حاصل ہوتی ہے نہ حال علم وہی ہے جوتم کو خدا کا رستہ دکھلاوے اور دل سے گمراہی کا زنگ دور کرے۔ اور حرص وھویٰ سے چھڑا کر تمہارے دل میں خوف وخشیت پیدا کرے۔تو سوائے جائز اور ناجائز کے نہیں کچھ نہیں جانتا تجھے تو اپنی خبر نہیں کہ تو مقبول ہے یا مردود علم اگر دل پر اثر کرے تو وہ دوست (محبوب) ہے اور اگر علم تن پر اثر کرے تو سانپ ہے''

درسی علوم کی اہمیت وضرورت

مگر اس سے علم رسمی کو فضل و بیکار اور حقیر نہ سمجھا جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ علم رسمی کافی نہیں بلکہ یہ ایسا ہے جیسے نماز کے لئے وضو، کہ تنہا وضو بغیر نماز کے کافی نہیں ہے مگر کافی نہ ہونے سے غیر ضروری ہونا لازم نہیں آتا بلکہ نماز کے لئے وضو شرط ہے۔اس کے بغیر نماز ہی نہ ہوگی اس لئے علم رسمی علم حالی کے لئے شرط ہے بدوں علم، بقدر ضرورت کے علم حالی بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ وہ لوگ جاہل ہیں جو علم درسی کو غیر ضروری سمجھتے ہیں اس کی بہت ضرورت ہے اور ساتھ ہی اس کی بھی

ضرورت ہے کہ علم رسمی کو عربی ہی کے ساتھ مخصوص نہ کیا جائے۔ بلکہ تعلیم دین کو عام کیا جائے جس کا ایک طریقہ تو وہ ہے جو میں نے بیان کیا ہے کہ عوام کو وعظ کے ذریعہ سے احکام سے مطلع کیا جائے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اردو رسائل میں احکام کا ترجمہ لکھا جائے اور مردوں سے گزر کر عورتوں میں بھی تعلیم کو رائج کرنا چاہئے جس کا طریقہ یہ ہے کہ مرد وعظ سن کر عورتوں کو احکام سے مطلع کریں اور جو رسائل اردو میں عورتوں کے واسطے لکھے گئے ہیں وہ ان کو پڑھائے جائیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو جغرافیہ اور حساب پڑھایا کرو آج کل تعلیم نسواں کا مطلب لوگ یہی سمجھتے ہیں مگر تجربہ ہے کہ علم دین کے سوا اور علوم عورتوں کو پڑھانا مضر ہیں (۱) مثلاً جغرافیہ پڑھانا گھر سے بھاگنے میں مدد دیتا ہے چنانچہ آجکل میرے پاس ایک عورت کی تصنیف کردہ کتاب تقریظ کے لئے آئی ہے اس میں ترقی کی کوشش کی تعلیم کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ مسلمانوں سے اور تو کچھ ہونا نہیں بس اٹھے اور اللہ میاں سے دعا مانگ لی اللہ میاں بھی کہتے ہیں (نعوذ باللہ) کہ مجھ کو اور بھی کام ہیں تمہارے کام بنانے کی مجھ کو کہاں فرصت تم بھی تو کچھ کرو الٰہی توبہ اس نئی تعلیم سے تو عورتیں مردوں سے آگے بڑھ گئیں کہ مرد تو علماء پر مشق کرتے تھے انہوں نے اللہ میاں پر مشق (۲) شروع کردی۔ غرض علم رسمی کو فضول نہ سمجھا جاوے بلکہ اس کو تو عام کرنے کی ضرورت ہے باقی ان اشعار کا مطلب یہ ہے کہ تم محض اس پر کفایت نہ کرو کہ ہم عالم ہوگئے بلکہ اس غرض و غایت پر بھی نظر کرو وہ یہ ہے کہ اللہ والے بن جاؤ کیونکہ پڑھانا اسی کے لئے ہے۔ اور یاد رکھو کہ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ "جس کو پڑھاتے ہو" كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ "اللہ والے بن جاؤ) کے لئے مقتضی شرط نہیں ہے یہاں تک کہ شبہ ہو۔ جہاں شرط نہیں وہاں مشروط بھی لازم نہ ہوگا تو عوام پر ربانی ہونا واجب نہ ہوگا۔ اور مقتضی ہونے پر جو شبہ ہوا تھا اس کا جواب میں پہلے دے چکا ہوں کہ مراد مقتضی اتم (۳) ہے اور نفس

(۱) نقصان دہ (۲) مرد تو علماء ہی کو الزام دیتے تھے انہوں نے اللہ میاں پر الزام تراشی شروع کردی (۳) کامل تقاضہ

مقتضی ہر مسلمان میں موجود ہے۔ یہ علماء ہی کے ساتھ خاص نہیں یعنی ایمان۔ اب بعد رفع اشکالات کے میں کہتا ہوں کہ علم سے فارغ ہوکر یہ نہ سمجھو کہ تم بالکل فارغ ہوگئے۔

وصول الی اللہ کے دو طریقے

بلکہ ابھی آپ کو دوسری منزل طے کرنے کے لئے اس سوال کا موقع باقی ہے۔

از مدرسہ بکعبہ روم یا بمیکدہ اے پیر رہ بگو کہ طریق صواب چیست

''مدرسہ سے کعبہ جاؤں یا میکدہ، اے پیر و مرشد بتاؤ کہ درست طریقہ کون سا ہے''

اس میں کعبہ سے مراد طریقہ سلوک و کثرت عبادت ہے۔ اور میکدہ سے طریق جذب و محبت، اس کا یہ مطلب نہیں کہ طریق محبت میں عبادت نہیں ہوتی یہ خیال تو الحاد و زندقہ ہے، بلکہ مطلب یہ ہے (مثلاً) نوافل کی تکثیر نہیں۔ غرض سلوک اور جذب دو طریقے ہیں وصول الی اللہ کے، اس وقت ان کی تفصیل کا موقع نہیں مگر میں نے اجمالاً اس پر اس لئے متنبہ کر دیا ہے تاکہ سامعین ان الفاظ سے پریشان نہ ہوں۔

رموز تصوف

حافظ کے کلام میں ایسے کنایات بہت ہوتے ہیں، چنانچہ اس وقت ایک اور شعر یاد آیا جس کا مطلب شاید بہت لوگ نہ سمجھے ہوں گے۔ کیونکہ وہ انکی اصطلاحات کو نہیں جانتے اسی لئے خواہ مخواہ اعتراض کر دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

''ہمارے پیر و مرشد مسجد سے میخانہ کی طرف آئے اے یاران طریقت اس کے بعد ہماری تدبیر کیا ہو''

اس میں تو سوال ہے، اگلے شعر میں خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں:

در خرابات مغاں، نیز ہم منزل شویم کایں چنیں رفت است در عہد ازل تقدیر ما

''پیر و مرشد کے ہمراہ ہم میکدہ پہنچے، ازل سے ہمارے واسطے ایسا ہی مقدر ہے''

اس سے اہل ظاہر تو یہ سمجھے کہ پیر اگر مسجد کو چھوڑ کر شراب خانہ میں جا پڑے تو مرید کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے، یہ بالکل غلط ہے، جس کا منشا وہی جہل عن الاصطلاح ہے،(۱) بلکہ یہاں بھی مسجد سے مراد طریقہ سلوک ہی ہے اور میخانہ سے مراد طریقہ جذب ہے۔(۲) ایک مقدمہ تو یہ ہوا دوسرا مقدمہ یہ سمجھئے کہ کبھی کامل پر بھی جذب کا غلبہ ہوجاتا ہے گو مبتدی جیسا نہ ہو مگر ہوجاتا ہے۔ تیسرا مقدمہ یہ سمجھئے کہ جب تک شیخ اپنے حال میں مشغول رہتا ہے اور غلبہ حال کے لئے یہ بات ضروری ہے تو اس حالت میں دوسروں کو نفع نہیں پہنچا سکتا۔ اس مقدمہ کے بعد سنئے کہ سوال کا حاصل تو یہ ہے کہ ہمارے شیخ پر کچھ دنوں سے جذب کا غلبہ ہے تو اب ہم کو کیا کرنا چاہئے اگلے شعر میں جواب ہے کہ نہیں، ہم کو اس حالت میں بھی شیخ کا ساتھ دینا چاہئے، کیونکہ جس کو ایک دفعہ شیخ بنالیا ہے اور طبیعت کو اس سے کامل مناسبت ہوگئی ہے۔ ازل سے وہی ہمارے واسطے مقدر ہو چکا ہے تو ہم کو دوسرے سے نفع نہیں ہوسکتا اور اس حالت میں افادہ نہ کرسکنے کا جواب یہ ہے کہ کاملین کا جذب دیرپا نہیں ہوتا، بلکہ عارضی ہوتا ہے، غرض آپ کو تحصیل علم کے بعد طریق سلوک یا جذب کو حسب تجویز شیخ اختیار کرکے اصلاح نفس کا کام کرنا چاہئے پس ابھی آپ فارغ نہیں ہوئے دریاست کے بعد یہ کام باقی ہے۔ مگر میں یہ رائے نہ دوں گا کہ سند درسیات حاصل کرتے ہی فوراً ذکر و شغل شروع کردیجئے، بلکہ پہلے اپنے لکھے پڑھے کو پختہ کرلو۔ کیونکہ جذب وسلوک میں مشغول ہوکر اس علم سے قطع نظر کرنا پڑے گی بلکہ اس کو بھلا دینا پڑے گا اور جو شخص بیوی کو طلاق دینا چاہے اس کو چاہئے کہ پہلے اپنے جیسے ایک دو جنوا لے (۳) پھر طلاق دے ایسے ہی آپ علم حاصل

(۱) جس کی وجہ صوفیا کی اصطلاحات سے ناواقف ہونا ہے (۲) طریق دو قسم پر ہے طریق جذب اور طریق سلوک کبھی وصول الی اللہ پہلے ہوجاتا ہے پھر شوق عبادت وریاضت پیدا ہوتا ہے اس کو طریق جذب کہتے ہیں اور کبھی اول ریاضت ہوتی ہے پھر وصولی الی اللہ میسر ہوتا ہے اس کو طریق سلوک کہتے ہیں (۳) پیدا کروالے۔

کر کے اول تعلیم میں مشغول ہوں اور اپنے جیسے دو چار عالم بنادیجئے۔ پھر اس کو بھلایئے گا اور پڑھتے ہی فوراً بھلادو گے تو ساری محنت ضائع ہوجائے گی۔

اصلاح نفس کی تدبیر

اور اصلاح نفس کے لئے علم رسمی (۱) سے قطع تعلق (۲) کرنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ سلوک وجذب کے لئے یکسوئی اور خلوت کی ضرورت ہے۔ اشتغال علمی کے ساتھ اس کا جمع ہونا دشوار ہے بلکہ اس کے لئے تو اس کی ضرورت ہے۔

قعرچہ بگزید ہر کہ عاقل ست زانکہ درخلوت صفا ہائے دل ست

''جو عقلمند ہے وہ کنویں (مجمع) سے بھاگتا ہے اس وجہ سے خلوت میں صفائی قلب ہے''

مگر خلوت کو جلوت پر مطلقاً فضیلت نہ دینی چاہئے، مولانا نے ایک مقام پر اس کی عجیب وجہ لکھی ہے فرماتے ہیں کہ تم جو خلوت کے فضائل بیان کررہے ہو، یہ بھی تو جلوت ہی کی بدولت حاصل ہوئے، سبحان اللہ کیا عجیب وغریب بات ہے واقعی خلوت کے برکات وفضائل بھی صحبت ہی میں رہ کر معلوم ہوسکتے ہیں دوسرا یہ کہ خلوت وغیرہ کا ازخود اپنے لئے تجویز کرلینا مفید نہیں، بلکہ اس وقت مفید ہے جب کوئی شیخ محقق تمہارے لئے اس کو تجویز کرے ورنہ خلوت بھی غوائل سے خالی نہ ہوگی پس اصلاح نفس کی تدبیر یہ ہے کہ اپنے کو کسی کے سپرد کردے جو وہ کہے اس پر عمل کرے، مگر تجویز ایسے کو کرے جس کی یہ شان ہو۔

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ہر ہوسنا کے نداند جام وسنداں باختن

''ایک ہاتھ میں شریعت کا اور دوسرے میں عشق کا جام ہو اور ہر خواہشمند

(۱) کتابی علم سے (۲) تعلق توڑنا پڑیگا۔

دونوں کے ساتھ ایک وقت میں نمٹ سکتا''۔

کیونکہ محقق ایسا ہی شخص ہوگا جو شریعت وطریقت دونوں کا جامع ہو۔ بدوں کسی محقق کے اتباع کے اصلاح نفس نہیں ہوسکتی بعض لوگ اس خبط میں ہیں، کہ کتاب میں نسخے دیکھ کر اپنا علاج خود کرلیں گے مگر یہ خیال ایسا ہی ہے جیسے کوئی مریض کتاب میں نسخے دیکھ کر اپنا علاج خود کرنا چاہے کہ اس کا انجام بجز ہلاکت (۱) کے کچھ نہیں۔ حضرت اگر کبھی طبیب بھی بیمار ہوتا ہے تو وہ اپنا علاج خود نہیں کرسکتا بلکہ دوسرے طبیب کا محتاج ہوتا ہے پھر جو بیمار، طبیب بھی نہ ہو اس کو اپنے علاج سے صحت کیونکر ہوسکتی ہے، باقی اس کے لئے بیعت ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ کسی کو متبوع (۲) بنانے کی ضرورت ہے اور جو پیر بدوں بیعت کے تعلیم نہ کرے اس کو چھوڑ وہ محقق نہیں ہے۔

مصلحین کو ہدایت

پھر جب کسی شیخ کی تعلیم وصحبت کی برکت سے تمہاری اصلاح ہوجائے تو اس کے بعد دوسروں کو بھی اصلاح کرنی چاہئے ربانی بھی بنو اور ربانی گر بھی بنو۔ (۳) مگر اس میں ایک بات قابل تنبیہ ہے وہ یہ کہ کام شروع کرنے سے پہلے تو ربانی گر بننے کی نیت کرلو تاکہ نیت افادہ کا ثواب ملتا ہے مگر کام میں لگنے کے بعد اس نیت کی طرف التفات نہ کرنا چاہئے بلکہ کام شروع کرنے کے بعد ساری توجہ کام پر مبذول (۴) کرنا چاہئے اس وقت ثمرات پر نظر کرنا مضر ہے (۵) اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص جامع مسجد جانا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ ابتداء میں جامع مسجد کا قصد کرے اور چلنا شروع کرے اب اگر وہ قدم قدم پر یہ سوچے گا کہ میں نے کتنا راستہ طے کیا اور جامع مسجد کتنی دور ہے تو بجائے آدھ گھنٹہ کے ایک گھنٹہ

(۱) سوائے ہلاکت (۲) کسی کا اتباع کرنے کی ضرورت ہے (۳) خود اللہ والے بنو اور لوگوں کو اللہ والا بنانے والے بنو (۴) کام پر صرف کرو (۵) نقصان دہ۔

میں پہنچے گا۔ اسی طرح اہل مدسرکاری ملازمت تنخواہ کے واسطے کرتا ہے اگر وہ ہر وقت کام کرتے ہوئے یہی سوچا کرے کہ آج میں نے اتنے دن کام کرلیا ہے میری تنخواہ اتنی لازم ہوگئی اور اتنی کا استحقاق فلاں تاریخ کو ہوجائے گا تو یقیناً وہ کام کو خراب کرے گا کیونکہ ایک کام کے ساتھ دوسری باتوں پر نظر کرنا موجب تشتت ہے(۱) کام جبھی ہوتا ہے جب اس میں ایسا لگے کہ اس وقت اس کے سوا کسی پر نظر نہ ہو۔

اصلاح نفس میں مشغولی کے وقت نیت کی درستی

ایسے ہی یہاں سمجھئے کہ اصلاح نفس میں مشغول ہوکر یہ خیال کرنا کہ ہم ایک دن مصلح بنیں گے سدراہ ہے(۲) اسی سے ایک شبہ حل ہوگیا جو اس واقعہ سے پیدا ہوتا ہے جو ایک بزرگ کی نسبت سنا گیا ہے کہ ان کے ایک مرید کو ذکر و شغل سے نفع نہیں ہونا تھا۔ شیخ نے بہت کچھ تدبیریں کیں مگر نفع نہ ہوا۔ آخر ایک دن پوچھا کہ میاں یہ تو بتلاؤ کہ ذکر و شغل سے تمہاری نیت کیا ہے اس نے کہا حضور! میری نیت یہ ہے کہ میری اصلاح ہوجائے تو پھر میں دوسروں کی اصلاح کروں گا۔ فرمایا اس خیال سے توبہ کرو اس کو دل سے نکال دو یہ تو شرک ہے۔ یعنی شرک طریقت، ابھی سے بڑا بننے کی فکر ہے اس نے اس خیال سے توبہ کی بس روز بروز نفع ہونا شروع ہوگیا۔ اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ نیت تو شرعاً محمود (۳) تھی، کیونکہ نفع متعدی کی نیت تھی اور نفع متعدی کی نیت نفع لازم سے اولیٰ ہے(۴) جواب اس کا یہ ہے کہ اس نیت کا کام شروع کرنے سے پہلے کرلینا مضر نہ تھا اس شخص نے کام شروع کرنے کے بعد یہ نیت کی اس لئے اس کو ضرر (۵) ہوا، کام شروع کرنے کے بعد تو یہ حال ہونا چاہئے۔

(۱) یکسوئی ختم کرنے کا باعث ہے (۲) راستہ کی رکاوٹ ہے (۳) اچھی (۴) دوسروں کو نفع پہنچانے کی نیت

خود نفع حاصل کرنے سے بہتر ہے (۵) نقصان۔

عاشقی چیست بگو بندہ جاناں بودن دل بدست دگرے دادن وحیراں بودن
سوئے زلفش نظرے کردن درویش دیدن گاہ کافر شدن وگاہ مسلمان بودن

''عاشقی کیا ہے کہہ دو محبوب کا بندہ بن جانا دل دوسرے کو دے دینا اور خود حیران رہنا اس کے زلف کی طرف نظر کرنا اور اس کا چہرہ دیکھنا کبھی فنا ہونا اور کبھی باقی رہنا''

یہاں کافر و مسلمان، الفاظ اصطلاحیہ ہیں مطلب یہ ہے کہ طالب کو بندہ بن کر رہنا چاہئے فی ید الغسال (۱) ثمرات (۲) پر نظر نہ کرنا چاہئے کہ یوں ہوگا اور اس طرح ہوگا یہی مطلب ہے حضرت استاد علیہ الرحمۃ کے اس قول کا کہ مقصود طلب ہے وصول مطلوب نہیں یعنی طلب کے وقت مقصود طلب ہے طلب کے وقت وصول پر نظر نہ کرنا چاہئے کہ مجھے وصول ہوگا یا نہیں بلکہ اس وقت تو یہ مذہب ہونا چاہئے۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید یا تن رسد بجانم یا جاں زتن برآید

''میں طلب سے اس وقت تک ہاتھ نہیں ہٹاؤں گا جب تک میرا مقصد نہ برآئے یا تو میرا مقصود حاصل ہو جائے یا میری جان تن سے نکل جائے''۔

یعنی طلب ہی کو اپنا فرض سمجھئے۔ حضرت حاجی صاحب سے جب کوئی ذاکر عدم نفع کی شکایت کرتا اس وقت حضرت یہ شعر پڑھا کرتا تھے۔

یا بم اور ایا نہ یا بم جستجوئے می کنم حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم

اس کا بھی وہی مطلب ہے کہ جستجو اور آرزو مطلوب ہے اس میں لگنا چاہئے وصول وحصول پر نظر نہ کرنا چاہئے'' جامی اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں۔

ہمینم بس کہ داند ماہ رویم کہ من نیز از خریداران اویم

''کہ بس ہمیں اتنا کافی ہے کہ ان کو خبر ہو جاوے کہ فلاں ہمارا خریدار ہے۔ یہ بڑی بات ہے، تھوڑی بات نہیں''

جب انہیں خبر ہو جائے گی، تو وہ اپنے خریدار کو محروم نہیں رکھا کرتے۔

(۱) جیسے مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہ جو چاہے کرے (۲) نتائج۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

''کوئی شخص ایسا نہیں کہ عاشق ہوا ہو اور محبوب نے اس کے حال پر نظر نہ کی ہو اے صاحب تمہیں درد ہی نہیں ورنہ طبیب موجود ہے''

مگر تم تفویض بھی اس نیت سے نہ کرو کہ تفویض کی وجہ سے ہمارا کام ہوجائے گا بلکہ ان کا حق سمجھ کر تفویض کرو۔ الغرض وصول اور ایصال کا قصد کرنا زمانہ طلب میں غلطی ہے کیونکہ قصد (۱) اس شے کا ہوسکتا ہے جس میں قصد واختیار کو دخل ہو اور وصول اور صلاحیت ایصال (۲) دونوں تمہارے اختیار سے باہر ہیں۔ پس کار خود کن کار بیگانہ مکن ''اپنا کام کرو دوسرے کا کام مت کرو'' کام کے وقت مقصود پر نظر نہ کرو، بلکہ کام پر نظر کرو۔ یعنی طلب پیدا کرو۔

آب کم جو تشنگی آور بدست تا بجوشد آب از بالاؤ پست

تشنگاں گر آب جویند از جہاں آب ہم جوید بعالم تشنگاں

''کم پانی زیادہ پیاس بڑھاتا ہے پیاس تہ وبالا تک پانی کی تلاش میں سرگرداں ہے اگر پیاسے دنیا میں پانی کو تلاش کرتے ہیں تو دنیا ہی میں پانی پیاسوں کا متلاشی ہے''

اسی طرح ایک دن ان شاء اللہ مقصود تک پہنچ جاؤ گے، پھر جب ربانی بن جاؤ اور دوسروں کی تربیت کرنے لگو کہ ہر شخص کو اس کی استعداد کے موافق تعلیم کرو، سب کو ایک ہی لکڑی نہ ہانکنا۔ کیونکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ربانی کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ الربانی الذی یعلم صغار العلوم قبل کبارھا ۔یعنی ربانی وہ ہے جو چھوٹے علوم اول تعلیم کرے اور بڑے علوم بعد سکھائے یعنی طالب کو بتدریج ترقی کی طرف لیتا جاوے۔اب میں ختم کرنا چاہتا ہوں۔ گو میں اس وقت ربانی کی تفسیر زیادہ نہ کرسکا۔ مگر تمہید میں جو مضمون مذکور ہوا ہے باشارۃ النص (۳) اس کی تفصیل کرسکتا ہے۔ خلاصہ

(۱) ارادہ (۲) اللہ تعالیٰ تک پہنچایا اور دوسرے کو پہچانا تمہارے اختیار میں نہیں (۳) اشارۃ اس سے ربانی کی تفسیر ہوگئی۔

بیان کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے دو مرتبے تو آپ کو عطا فرمائے ہیں، تعلیم و تعلم اور تیسرے امر (۱) کا مطالبہ کیا ہے کہ ربانی بن جاؤ۔ اب حق تعالیٰ دیکھتے ہیں کہ آپ اس تیسرے درجے کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہیں۔ اس پر عمل کرتے ہیں یا نہیں۔ اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ سب کو اور ساتھ میں مجھے بھی عمل کی توفیق عطا فرمادیں۔ آمین!

وصلی اللّٰہ علٰی سیدنا ومولانا محمد وعلی اٰلہ واصحابہ اجمعین واٰخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العٰلمین۔

ممبر سے اترتے ہوئے فرمایا کہ اس وعظ کا نام ''العبدالربانی'' رکھا جائے۔ اور وجہ تسمیہ کی بابت فرمایا کہ آیت میں پہلے یہ الفاظ مذکور ہیں۔

﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ ''کسی انسان سے یہ بات نہیں ہوسکتی کہ اللہ تعالیٰ (تو) اس کو کتاب اور دین کی فہم عطا فرمائیں لیکن وہ لوگوں سے یوں کہنے لگے کہ تم میرے بندے بن جاؤ'' اس کے بعد ارشاد ہے: ﴿وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ ﴾ ''لیکن وہ یوں کہے گا کہ تم اللہ والے بن جاؤ''

پس یہاں ربانین کے معنی یہی ہیں کہ عبدالرب بننا چاہئے۔ اس لئے العبد الربانی نام مناسب ہے جس میں لطیف اشارہ محل بیان کی طرف بھی ہے۔ کیونکہ مدرسہ کا نام مدرسہ عبدالرب ہے۔

---

(۱) کام کا۔